5

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

2 تا 8 فروری 2006ء

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

مرحبا! حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ

رواداری اور روشن خیالی کا نعرہ

فلسطینیوں کو کل کیا ملا؟

سنوسی تحریک: قائدین کا تعارف

یادوں کی تسبیح (19)

میری بڑی خالہ
اسلامی کردار کا ایک قابل رشک نمونہ

میراتھن ریس یا مغربی کلچر؟

تفہیم المسائل

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا

ایک طرف

☆ پاکستان کی فوج بلوچستان میں آپریشن کر رہی ہے اور خانہ جنگی کی صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے

☆ پاکستان کا ''مبیّنہ'' اتحادی امریکہ میزائل داغ کر پاکستان کے معصوم شہریوں کو ہلاک کر رہا ہے

☆ زلزلہ زدگان سردی سے ٹھٹھر کر مر رہے ہیں

☆ اندرون ملک بدامنی اور ڈاکہ زنی سے عوام کی زندگی اجیرن ہو رہی ہے

☆ مہنگائی اور بیروزگاری کے ہاتھوں نوجوان خودکشیاں کر رہے ہیں اور

دوسری طرف

ہمارے حکمرانوں کو میراتھن ریس میں قوم کی بیٹیوں کو سڑکوں پر سرعام دوڑا کر ان کی تذلیل کرنے کی سوجھی ہوئی ہے۔ وہ بسنت کو سماجی تہوار قرار دے کر اور چھتوں پر راگ و رنگ کی محفلیں جمانے کے پروگرام بنا رہے ہیں' تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح احکامات کو پاؤں تلے روند کر عالمی اسلام دشمن ابلیسی طاقتوں کو خوش کر سکیں!

کیا ہم نے اپنے رب کو ناراض کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے؟

ہم ملک کے مقتدر طبقات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے سے باز رہیں!

تنظیم اسلامی پاکستان کی طرف سے ملک کے دو ممتاز قومی روزناموں کے نام بغرض اشاعت بھیجے گئے اشتہار کی عبارت جسے روزنامہ ''نوائے وقت'' نے ترمیم کے ساتھ شائع کیا اور روزنامہ ''جنگ'' نے چھاپنے سے انکار کر دیا۔ (ادارہ)

الھدیٰ (220)

سورۃ النساء (آیت 94)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر اسرار احمد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۹۴

''مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم سے سلام علیک کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو۔ سو خدا کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو (آئندہ) تحقیق کر لیا کرو۔ اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ سب خبر ہے۔''

اس آیت کے پس منظر میں پھر وہی ماحول ہے کہ ہر جگہ اور ہر وقت جنگ اور مقابلے کا خطرہ ہے۔ اب ایسے میں کہیں کوئی شخص کسی مومن کے مقابلہ میں آ گیا۔ مومن نے اُسے کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا مگر اُس نے کلمہ پڑھ لیا کہ میں تو مسلمان ہوں تو ایسی صورت میں اُس کے ایمان کا اعتبار کیا جائے گا اور بلا تحقیق اُس کے قتل سے اجتناب کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اے اہل ایمان! جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو۔ جو شخص تمہارے سامنے اسلام کا اقرار کرے یا سلام پیش کرے تو تم اُس کو یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ کیونکہ تم دل کا حال نہیں جانتے۔ پس اُس کے اقرار کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اس کے کلمہ شہادت پڑھنے کا اعتبار کرنا ہوگا۔

حضرت اسامہؓ کے ساتھ اس قسم کا معاملہ ہو گیا تھا۔ جنگ میں اُن کا ایک کافر سے آمنا سامنا ہوا۔ وہ کافر مغلوب ہو گیا اور اُسے بچنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا' تو اُس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت اسامہ نے وہی سمجھا جو ایسے موقع پر ہر شخص سمجھتا کہ یہ اس کے جان بچانے کا حیلہ اور بہانہ ہے۔ چنانچہ اسامہ نے اُسے قتل کر دیا۔ جب اس واقعے کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپؐ ناراض ہوئے اور فرمایا: اے اسامہ! اس دن کیا جواب دو گے جب یہ کلمہ شہادت تمہارے خلاف مدعی بن کر آئے گا کہ میرے ہوتے ہوئے اس نے تلوار چلائی۔ اس پر اسامہؓ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ اُس نے کلمہ تو صرف جان بچانے کے لیے پڑھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اسامہ تم نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا کہ وہاں ایمان ہے یا نہیں۔ گویا آپ کا انداز غصے کا تھا۔

اے ایمان والو! تم دنیا کے سامان چاہتے ہو کہ مقابل کو کافر سمجھیں' قتل کریں۔ اور اُس کے مال کو مال غنیمت کے طور پر حاصل کر لیں۔ یہاں تم دل تھوڑا نہ کرو۔ اللہ کے ہاں تمہارے لیے بڑی غنیمتیں ہیں۔ بڑی بڑی مملکتیں تمہارے زیر نگیں آنے والی ہیں۔ دیکھو تم خود بھی تو پہلے ایسے ہی تھے' پھر تم نے اسلام قبول کیا تو تمہارے اقرار کو تسلیم کیا گیا۔ اللہ نے تمہیں رسول کی دعوت و تبلیغ سے بہرہ مند ہونے کی توفیق دی۔ اللہ کا انعام یاد رکھو۔ اور اب دوسروں کے معاملہ میں اتنی سخت روش اختیار نہ کرو۔ ہاں ایسے معاملہ میں تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔

فرمانِ نبویؐ

اُمورِ ایمان

چودھری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ)) (رواہ البخاری)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے بھلی بات کرنی چاہیے یا اسے خاموش رہنا چاہیے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔''

تشریح: اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی نیکی اور خیر کی بات کرے' ہمسایوں کا خیال رکھے اور مہمان کی عزت و توقیر کرے' یعنی اس کی اچھی مہمان نوازی کرے' جب کہ غلط گفتگو' بیہودہ گوئی' ہمسایوں کو اذیت میں مبتلا رکھنا اور مہمان کی مہمان نوازی میں بخل سے کام لینا ایمان کے منافی ہے۔

تاخلافت کی بناء دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

جلد 15 | 2 تا 8 فروری 2006ء
3 تا 9 محرم الحرام 1427ھ | شمارہ 5

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔سردار اعوان۔محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے۔

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم٥

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

مرحبا! حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ

اوسلو میں جب یاسر عرفات مرحوم کا جذبہ حریت مصلحتوں کا شکار ہوا اور پاکستان کے حکمرانوں کی طرح انہوں نے بھی اپنے طے شدہ پختہ موقف کو زمینی حقائق کی بھینٹ چڑھا دیا تو فلسطینیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اُن سے اختلاف کیا اور اسرائیل نامنظور کی پالیسی کو جاری رکھا۔ حماس تنظیم کا وجود اِسی اختلاف کا نتیجہ ہے۔ حماس بنیادی طور پر عسکری تنظیم ہے جو اسرائیل سے مفاہمت کی بجائے مزاحمت میں یقین رکھتی ہے۔ حماس حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں: اسلامی مزاحمتی تحریک۔

انتفاضہ کی تحریک حماس ہی کی شروع کردہ تھی' جس سے اُس نے جدید ترین اسلحہ سے لیس اسرائیلی فوج کے خلاف مزاحمت سنگ باری سے کی اور اِس سنگ باری نے اسرائیل کو بُری طرح زِچ کیا۔ پھر جب ایرل شیرون نے مسجد الاقصیٰ کی بے حرمتی کی تو اِس تحریک میں مزید بہتری آ گئی۔ ایرل شیرون نے یہ حرکت انتخابی حربہ کے طور پر کی تھی۔ وہ انتخابات میں کامیاب ہوگیا۔ اُس کا نعرہ تھا کہ وہ اقتدار میں آنے کے سو دن کے اندر اسرائیل کے خلاف مزاحمتی تحریک کو ختم کر کے اسرائیل کو ایک محفوظ ریاست بنا دے گا۔ حماس نے خودکش دھماکے مسجد ابراہیم میں امریکی نژاد یہودی ڈاکٹر کی فائرنگ کے ردِعمل کے طور پر شروع کیے تھے جس سے اُنتیس نمازی شہید اور ایک سو کے لگ بھگ زخمی ہو گئے تھے۔ خودکش دھماکوں سے کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے' لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اِن حملوں نے ایرل شرون جیسے جابر اور ظالم انسان کو امن کی باتیں کرنے پر مجبور کر دیا' کیونکہ اُس کا دعویٰ تھا کہ وہ اسرائیل کو سلامتی دے گا اور یہودیوں کے لیے اسرائیل میں زندگی محفوظ و مامون بنا دے گا' لیکن ہوا یہ کہ خودکش دھماکوں کی وجہ سے جتنے یہودی شیرون کے دورِ حکومت میں جہنم واصل ہوئے' پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔

حماس کی کامیابی کی ایک وجہ امریکہ سے مسلمانوں کی نفرت بھی ہے۔ مسلمانوں کا قاتل امریکی صدر بش محمود عباس پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ حماس کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہ دے۔ یہ بات راز نہ رہ سکی اور فلسطینی عوام کا ردِعمل سامنے آ گیا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ امریکی دانشوروں اور سیاست بازوں کے ذہن میں یہ بات کب سمائے گی کہ بموں اور میزائلوں سے آگ اور خون کی ہولی تو کھیلی جاسکتی ہے' عوام کے دل نہیں جیتے جا سکتے۔ مسلم دنیا میں عوام کے دلوں میں امریکہ کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ ایران کی مثال لے لیں۔ ہاشمی رفسنجانی جیسی مشہور و معروف شخصیت جو ایرانی صدر اور اسمبلی کے سپیکر رہ چکے ہیں اور آیت اللہ خمینی کے دستِ راست تھے' احمدی نژاد جیسے غیر معروف مدِ مقابل سے صرف اِس لیے شکست کھا گئے کہ امریکہ اور اُس کے حواری رفسنجانی کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ امریکہ کی یہ غلط فہمی جلد دور ہو جائے گی کہ وہ کٹھ پتلی مسلمان حکمرانوں کے ذریعے عالم اسلام کو کنٹرول کر سکے گا۔

ہمیں حماس کی فتح سے دلی مسرت ہوئی ہے لیکن اِس فتح سے بعض اندیشے اور خطرات بھی جنم لے رہیں ہیں' مثلاً اسرائیل میں بھی انتخابات سر پر ہیں' اسرائیلی بھی جوابی کارروائی میں انتہا پسندوں کو کامیابی دلا دیں۔ اور مشرق وسطیٰ کا آتش فشاں پھٹ پڑے۔ امریکہ اور اسرائیل حماس کی کامیابی پر جس طرح اشتعال انگیز بیانات دے رہے ہیں اُس کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حماس کے حکومت بنانے کے بعد کسی واقعہ کو عذر بنا کر فلسطینیوں کو ملیا میٹ کر دیا جائے تا کہ مسجد اقصیٰ کو آسانی سے شہید کر کے گولڈن ٹیمپل کی تعمیر کی جا سکے۔ علاوہ ازیں گریٹر اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے۔ اِس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو حماس کو اب ایسے پل صراط سے گزرنا ہے جہاں غلطی کی گنجائش نہیں ہے' نہ ہی اُسے کوئی ایسی جارحانہ کارروائی کرنا چاہیے جس سے اسرائیل کو ریاستی دہشت گردی کا جواز حاصل ہو جائے اور نہ ہی اپنے سابقہ مؤقف سے پیچھے ہٹے۔ ہماری رائے میں حماس کے لیے یہ اُس وقت تک ممکن نہیں ہوگا جب تک نہ صرف عرب بلکہ پوری اُمت مسلمہ اُس کی پشت پر نہ ہو۔ (باقی صفحہ 13 پر)

سید قاسم محمود

دسویں غزل

(بالِ جبریل' حصّہ دوم)

دل سوز سے خالی ہے' نگہ پاک نہیں ہے — پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے
ہے ذوقِ تجلّی بھی اِسی خاک میں پنہاں — غافل! تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!
وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن — پُر کار و سخن ساز ہے! نمناک نہیں ہے!
کیا صُوفی و مُلّا کو خبر میرے جنوں کی — اُن کا سرِدامن بھی ابھی چاک نہیں ہے
کب تک رہے محکومیٔ انجم میں مری خاک — یا میں نہیں' یا گردشِ افلاک نہیں ہے!
بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے مری — میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے!
عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث — مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے!

اِس غزل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فلسفہ' شاعری اور موسیقی تینوں فنون کا ایک خوش آئند امتزاج ہوگیا ہے۔ اِس خوبی کے علاوہ سلاست' روانی اور اندازِ بیان کی دلکشی بھی بہت ہے۔

1۔ اے مسلمان! اگر تجھ میں کلمۂ حق برملا کہنے کی جرأت نہیں ہے تو اِس کی وجہ یہ ہے کہ تیرے دل میں اللہ کی محبت کی بجائے دنیا کی محبت جاگزیں ہے' اسی لیے تُو دنیاوی نعمتوں اور راحتوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ اِن حالات میں تُو غیر اللہ سے بے خوف کیسے ہوسکتا ہے؟

2۔ اے مسلمان! تجھے اللہ نے زیورِ عقل ہی سے آراستہ نہیں کیا ہے' بلکہ اُس نے تیرے اندر اپنے دیدار کی آرزو بھی ودیعت فرمادی ہے۔ تُو ذرا غور سے دیکھ' تجھ میں اُس سے ملنے کی تڑپ بھی موجود ہے' یعنی تیرے اندر جذبۂ عشق بھی پنہاں ہے اور جس طرح کتابوں کے مطالعے' اور علماء کی صحبت سے عقل بڑھتی ہے' اسی طرح پابندیٔ شریعت اور عاشقوں کی صحبت سے عشق کی آگ تیز ہوتی ہے۔ پس تُو اللہ والوں کی صحبت اختیار کر' تاکہ مقصدِ حیات حاصل ہوسکے۔

3۔ مغربی تعلیم سے آدمی کے اندر عیاری' چالاکی اور فریب کاری تو پیدا ہو جاتی ہے' لیکن دل میں سوز و گداز کا رنگ پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ بات صرف قرآن اور حدیث کے مطالعے اور نیک' متقی بندوں کی صحبت سے پیدا ہوسکتی ہے۔

4۔ صوفی اور مُلا دونوں میرے جذبات کی گہرائی کا اندازہ نہیں کر سکتے' کیونکہ وہ دونوں دنیا طلبی میں منہمک ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت سے بیگانہ ہیں۔ وہ کیا جانیں' محبت کسے کہتے ہیں؟ کیونکہ وہ دونوں حالاتِ حاضرہ سے بے خبر ہیں۔ انہیں مطلق علم نہیں کہ اسلام اور مسلمان پر کس کس طرف سے' کس کس رنگ میں حملے ہو رہے ہیں' کیونکہ وہ دونوں اپنے اپنے حجروں میں بیٹھے ایک ہزار سال پہلے کے علوم پڑھ رہے ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور آج دنیا میں اسلام کو کس طریقے سے پیش کرنا چاہیے۔ یا آج دنیا اور انسان کن مصائب میں مبتلا ہیں اور کن مسائل سے دوچار ہیں اور اسلام ان کا کیا حل پیش کرتا ہے (یہ سب مختلف معانی الفاظ لفظ "جنوں" کی مختلف تعبیرات سے پیدا ہوئے ہیں)

5۔ مسلمان صدیوں سے جوتش' نجوم' رمل اور ستارہ پرستی اور اس کے پیدا کردہ توہمات میں مبتلا ہیں۔ وہ ایک عرصے سے ستاروں کی غلامی کر رہے ہیں۔ ایک عرصے سے اِس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو ہماری تقدیر میں لکھا ہے' وہی ہوگا۔ پھر ہمیں جدوجہد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چونکہ انسان ستاروں کی تاثیر نہیں بدل سکتا' اس لیے ہر قسم کی جدوجہد بے کار اور بے سُود ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ یہ سب خیالات بالکل غیر اسلامی ہیں' اور اسی لیے میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ جب تک زندہ ہوں' ان غیر اسلامی عقائد کے خلاف جدوجہد کرتا رہوں گا۔

6۔ مسلمان کا وجود باطل کے لیے پیغامِ فنا ہے۔ جس طرح بجلی جس چیز پر گرتی ہے' اُسے جلا کر "خاک سیاہ" کر دیتی ہے' اسی طرح مسلمان خرمنِ باطل یعنی ہر غیر اسلامی نظام اور غیر اسلامی تعلیم کو پھونک دینے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس کا کام ہی یہ ہے کہ باطل کو مٹا دے۔ ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ اور (اے ہمارے نبی ﷺ!) آپ اعلان فرما دیجئے کہ حق آ گیا' اب باطل مٹ گیا اور باطل ہے ہی مٹنے والا)۔ (بنی اسرائیل)

7۔ اِس شعر میں اقبال نے براہ راست قرآن حکیم کا فلسفۂ حیات شاعری کی دل فریبی سے بچا کر صاف لفظوں میں پیش کر دیا ہے۔ "صاحبِ لولاک" بہت بلیغ ترکیب ہے اور اقبال کے اسلوبِ فکر کی بہترین مثال ہے۔ "لولاک" سے ذاتِ محمدی ﷺ مُراد ہے۔ لَولاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ یعنی اللہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے ارشاد فرمایا: "اگر تُو نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا"۔ دوسرے الفاظ میں اللہ نے کائنات کو آنحضور ﷺ کے تصدق میں پیدا کیا ہے۔ پس "صاحبِ لولاک" سے مُراد ہے آنحضور ﷺ کا غلام یعنی فنافی الرسول ﷺ۔

پہلا مصرع اِس آیت سے ماخوذ ہے: ﴿اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ "زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے"۔ (الانبیاء) قرآن مجید کی رُو سے انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کی غلامی اختیار کرے' تاکہ اللہ کی زمین کا وارث بن سکے' یعنی خلافت و نیابت الٰہیہ کے مرتبے پر فائز ہو سکے۔ وراثتِ ارض اللہ کے صالح بندوں کے لیے مخصوص ہے اور صالحیت کا رنگ صرف سرکارِ دو عالم کی غلامی' یعنی کامل اتباع کی بدولت پیدا ہوسکتا ہے۔ اور اتباعِ رسول ﷺ عشقِ رسول کے بغیر ناممکن ہے ع

مُسلم از عاشقی نہ باشد کافر است!

منبر و محراب

رواداری اور روشن خیالی کا نعرہ

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں' مرکزی ناظم تربیت جناب شاہد اسلم کے 27 جنوری 2006 کے خطاب جمعہ کی تلخیص

موضوع سے متعلقہ آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: حضرات! قرآن حکیم کے بارے میں اللہ نے واشگاف انداز میں فرمادیا کہ اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ گزشتہ قومیں اسی سبب سے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے اپنے مزاج' اپنے حالات اور اپنے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ کی کتاب کے اندر تحریف کرڈالی تھی۔ قرآن عزیز اُن کا جرم بیان کرتا ہے:

﴿یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ.....﴾ (النساء:46)

"وہ (اللہ کے) کلمات کو اس کی اصل جگہ سے ہٹادیتے ہیں"۔

آج کل بھی بڑے ہی خوشنما انداز میں اخبارات اور میڈیا میں رواداری اور روشن خیال اعتدال پسندی کے الفاظ کا بکثرت ذکر ہورہا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِن الفاظ کی من پسند تعبیرات کی جارہی ہے' اور پھر انہیں اسلام کا لبادہ پہنایا جارہا ہے' حالانکہ اِن تعبیرات کا اسلام کی تعلیمات اور فلسفہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ آیئے قرآن وسنت اور سیرت کی روشنی میں ان الفاظ کا جائزہ لیں' کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد اب قیامت تک کے لیے اللہ کی کتاب' آپ ﷺ کے فرامین اور آپ ﷺ کی سیرت ہی معیارِ حق ہے' نہ کہ معاشرے کے رجحان ساز لیڈر' جو ماحول کی صورت گری کرتے ہیں۔ ایسے سرکردہ لوگ تو حقیقت میں ہر دور میں دعوت حق کی راہ میں اصل رکاوٹ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے دور کے خیالات اور تصورات سے ہٹنا گوارا نہیں کرتے۔ معاشرے کے عام لوگ تو انہی کی پھیلائی ہوئی رٹی رٹائی باتیں دہراتے رہتے ہیں۔

رواداری بلاشبہ ایک پسندیدہ صفت ہے۔ لیکن ہمارے ذہنوں میں اس کا مفہوم واضح ہونا چاہیے۔ رواداری کیا ہے؟ رواداری کا مطلب یہ ہے کہ اختلاف رائے کو برداشت کیا جائے' مذہب کے معاملے میں دوسروں پر جبر نہ کیا جائے بلکہ اُنہیں عقائد' خیالات اور عبادات کی آزادی دی جائے اور اُن سے کوئی تعرض نہ کیا جائے لیکن اِس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ باطل اور گمراہ اسلام دشمنوں کی خوشنودی اور رضاجوئی کے لیے اپنے دین میں تحریفات کی جائیں' دین' شرعی اصطلاحات اور تعلیمات کی من مانی تعبیرات کی جائیں۔

رواداری کے سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ بہترین اسوہ اور رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ پوری زندگی غریبوں' یتیموں اور بے کسوں کی سرپرستی فرماتے رہے' آپ ﷺ نے جب اہل مکہ کے سامنے دعوتِ حق پیش کی' تو اس کا سخت ردعمل ہوا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں' آپ ﷺ کے جانثار ساتھیوں پر تشدد ہوتا رہا مگر آپ ﷺ اس سب کو برداشت کرتے رہے۔ ذرا سوچئے' اس سے بڑھ کر رواداری اور کیا ہوسکتی ہے کہ ایک بڑھیا آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بکھیرتی ہے' آپ ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینکتی ہے' مگر وہی بڑھیا جب بیمار ہوجاتی ہے تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ لیکن جب اصول دین کی بات آتی ہے' جب مشرکین مکہ یہ تقاضا کرتے ہیں کہ ہمارے بتوں کو برا نہ کہا جائے۔ کچھ کیسر و مائز کیا جائے' ہمارے خیالات اور معیارات کے مدمقابل آپ جو تصورات پیش کررہے ہیں' وہ بڑے سخت ہیں' ان میں نرمی کی جائے' احکام قرآنی میں کچھ "لچک" ہونی چاہیے' تو اللہ تعالیٰ واضح فرمادیتے ہیں۔

﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ ھٰذَآ اَوْ بَدِّلْہُ ؕ قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآیِٔ نَفْسِیْ ۚ.....﴾ (یونس:10)

"اور جب اُن کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں' تو وہ لوگ جن کو ہم سے ملاقات کی امید نہیں' کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے آ' یا اس کو بدل ڈال' تو (اے نبی) کہہ دے کہ میرا کام نہیں کہ اسے اپنی طرف سے بدل ڈالوں"۔

مدنی زندگی کو دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی رواداری کا اس سے بڑھ کر مظہر کیا ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے مخالفین کو برداشت کیا۔ آپ ﷺ منافقین کو بھی ساتھ لے کر چلے۔ یہود کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے تحریری معاہدے کیے۔ مگر اس سب کے باوجود جہاں انہوں نے دین کے اندر تحریف کرنے کی کوشش کی' چاہے وہ اُن کی اپنی ہی کتاب تورات کے احکامات تھے' آپ ﷺ نے ان پہ واضح فرمادیا کہ تم غلط کررہے ہو۔ اسی طرح اگر کسی یہودی نے یہود کے بازار میں ایک مسلمان خاتون کا دوپٹہ کھینچا تو پھر اسے بخشا نہیں گیا۔ گویا انہیں یہ پیغام دیا گیا کہ یہ رواداری نہیں ہے کہ تم ہماری بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس پر حملہ کرو اور ہم اُس پر خاموش رہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے مشرکین مکہ سے معاہدے کیے اور آخری وقت تک ان کی پاسداری کی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ اور امت کو بھی معاہدوں کے احترام کی تلقین فرمائی۔ اس سلسلہ میں ایک نمایاں مثال وہ ہے جو غزوۂ بدر میں سامنے آئی۔ اِس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اسلامی جماعت کے لیے ایک ایک فرد کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ اِس کڑے وقت مکہ سے مدینہ کی طرف دو صحابیؓ جارہے تھے۔ راستے میں مشرکین مکہ نے انہیں پکڑ لیا اور اس وعدے پر چھوڑا کہ تم ہمارے خلاف بدر میں نہیں آؤ گے۔ ان صحابہؓ نے اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اِس بناء پر انہیں اس غزوہ میں شرکت سے روک دیا تاکہ اپنے وعدے کو پورا کرسکیں۔ یہ ہے اخلاق کا معیار جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے۔

آپ ﷺ نے یہودیوں سے معاہدے کیے اور اُن کی پوری طرح پابندی کی' مگر جب انہوں نے خود ہی ان معاہدوں کو توڑ دیا' تو پھر مصلحت سے کام نہیں لیا گیا' بلکہ ان کو سخت سزا دی گئی۔ الغرض آپ کی سیرت نے واضح طور

ہمارا دشمن بڑا شاطر ہے۔ وہ پُرفریب طریقوں سے ہماری حیا چھیننا اور غیرت کا جنازہ نکالنا چاہتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ جب مسلمان قوم میں بے غیرتی بڑھ جائے گی تو وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے گی

پر رواداری کی حدود متعین کر دی ہیں اور اور یہ حقیقت آشکار کر دی کہ رواداری یہ نہیں کہ اللہ کے کلام کے اندر کوئی معنوی تبدیلی پیدا کر دی جائے' اس کے دین کی تعلیمات میں کوئی تحریف کر دی جائے' صرف اس لیے کہ لوگوں کے معیارات مختلف ہیں۔ ان کی سوچ اس کے برعکس ہے۔ رواداری کے عنوان سے اس کی گنجائش نہیں۔

آج ہمارے ملک کے ایوان ہائے اقتدار میں روشن خیالی کی صدائے بازگشت بھی سنائی دے رہی ہے۔ ہمارے صدر مملکت اپنی ہر گفتگو' تقریر اور بیان میں روشن خیال اعتدال پسندی کا ''وعظ'' کہہ رہے ہیں۔ ان کے مصاحبین بھی اس کے نعرے لگا رہے ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ اسلام کا سافٹ امیج سامنے لایا جانا چاہیے تاکہ دنیا ہمارے بارے میں یہ رائے قائم کرے کہ یہ نرم خو لوگ ہیں۔ اسلام کی ایک ایسی صورت سامنے آئے جو دنیا کے لیے بھی قابلِ قبول ہو۔ یہ طرزِ فکر انتہائی خطرناک ہے۔ کیا اسلام تاریک خیال ہے کہ اُس کو اب روشن خیال بنایا جا رہا ہے۔ اسلام تو سراپا نور ہے' جو انسانیت کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے' ہدایت کی روشن راہوں پر گامزن کرتا ہے۔ روشن خیالی کا مطلب اگر یہ ہے کہ مغربی فکر و فلسفہ اور تہذیب کو اختیار کر لیا جائے اور پھر اس کا نام ''اسلام'' رکھ لیا جائے تو اس سے خدا کی پناہ۔ یہ روش تو اسلام کا حلیہ بگاڑنے کے مترادف ہے۔ ایسا چاہنے والے اصلاح نہیں بگاڑ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہر وہ کوشش جو حق کو تبدیل کرنے اور اُسے بگاڑنے کے لیے کی جائے گی' وہ فساد کے زمرے میں آئے گی' چاہے لوگ اسے اصلاح سمجھتے ہوں۔ دورِ نبویؐ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو کہتے تھے کہ ہم اصلاح چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کچھ رواداری ہونی چاہیے۔ بدر و احد اور خندق کی جنگوں کا کیا حاصل ہے۔ یہودیوں سے بھی مصلحت ہونی چاہیے۔ کفار سے بھی کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر معاملات طے ہونے چاہئیں۔ دین کے اصولوں پر کچھ کمپرومائز ہونا چاہیے' مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ مصلح نہیں' فسادی ہیں' یہ تعمیر نہیں تخریب چاہتے ہیں:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝﴾ (البقرہ: 11)

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد برپا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں''۔

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اگر کوئی اپنا ''دین الٰہی'' بنانا چاہتا ہے تو بنائے لیکن اسے اللہ کے دین کا عنوان نہ دے' اللہ کے دین کو مسخ نہ کرے' اس کا حلیہ نہ بگاڑے۔ اللہ کو یہ جسارت ہرگز قبول نہیں ہے۔

بھائیو! کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم مسلمان ہیں' مگر اسلامی تعلیمات کا چہرہ مسخ کر رہے ہیں' اسلامی احکام میں معنوی تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں' متفق علیہ منکرات' جن کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ یہ چیزیں غلط ہیں' انہی کے متعلق ہمارے لیڈر کہہ دیتے ہیں کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو چیزیں ضروری ہیں اُن کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ ان کی ضرورت نہیں ہے۔ محض اِس لیے کہ ہم اہل مغرب کے منظورِ نظر بن جائیں۔ یاد رکھئے! قرآن نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ تم چاہے کتنے ہی نرم ہو جاؤ' کتنے ہی یہود و نصاریٰ کے خیالات کے ہم نوا بن جاؤ' وہ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ تم ان کے دین ہی کو اختیار کر لو۔ فرمایا:

﴿لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ ......﴾ (البقرہ: 120)

''یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہو سکتے' جب تک کہ تم ان کے پیچھے نہ چلنے لگو (ان کے دین ہی کو نہ اختیار کر لو)''۔

اللہ کے اِس فرمان برحق کی حقانیت کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔'' بوسنیا اور کوسوو کے مسلمان کتنے لبرل تھے۔ وسط ایشیائی ریاستوں کے کلمہ گو اسلام سے کتنے دور تھے لیکن محض اُن کا کلمہ گو ہونا بھی دنیا سے برداشت نہ ہوا۔ اس لیے کہ دشمنانِ اسلام جانتے ہیں کہ اِس کلمہ کی ابتداء ہی ہر ظالم' جابر' اللہ کے منکر اور اللہ کے باغی کی نفی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم جب تک کلمہ پڑھیں گے' چاہے روزے رکھیں' نہ رکھیں' نماز پڑھیں نہ پڑھیں' پردے کے احکام پر عمل کریں' نہ کریں' چاہے کتنے ہی لبرل ہو جائیں' کفار کی نظر میں ان کے دشمن ہوں گے' اور وہ ہمارا وجود برداشت نہیں کریں گے۔

حضرات! ایک اور لفظ جس کا تذکرہ زبان زدِ عام ہے وہ میراتھن ہے۔ حکمرانوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک تفریحی ایونٹ ہے۔ ہم میراتھن اِس لیے کرواتے ہیں کہ اس سے ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آئے گا۔ سوال یہ ہے کہ صحت مند معاشرہ کے کیا معنی ہیں؟ کیا صحت مند معاشرہ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ سڑکوں پر دوڑایا جائے۔ مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ حیا باختہ لباس میں' عورتوں کا باہر نکلنا' سڑکوں پر دوڑنا جاہلیت کی ایک روش ہے۔ ہماری پوری تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مخلوط دوڑ لگی ہو' مخلوط محفلیں ہوئی ہوں۔ اسلام عورت کو حکم دیتا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ......﴾ (الاحزاب: 33)

''اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلی جو جاہلیت کے انداز ہیں ان کی طرح بن سنور کر باہر نہ آؤ''۔

اگر مغرب کی روایات معاشرے کی صحت مندی کی دلیل ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلامی اقدار اور دینی ذہنیت بیمار اور غیر صحت مند ہونے کی علامت ہے (نعوذ باللہ)۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو فکر دی ہے' جو روایات دی ہیں وہ تو انسانیت کو اعلیٰ شرف عطا کرنے والی ہیں' وہ تو عورتوں کی عظمت و ناموس کی محافظ ہیں۔ اسلام سے پہلے معاشرے میں عورت کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ہی اسے وہ مقام عطا کیا جو مقام کسی اور مذہب اور تہذیب نے اُسے نہیں دیا تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی کہ اگر کسی شخص کی دو یا تین بیٹیاں ہوں' پھر وہ ان کی تربیت کرے' اچھا ادب سکھائے' پھر شادی کرے' وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اسلام نے عورت کو وراثت میں حقوق دیے۔ یہ بھی اسلام کا عطا کردہ شرف و امتیاز ہے کہ اُس نے ماں کی صورت میں عورت کے پاؤں تلے جنت رکھی۔ اور عورت کو ہر قسم کے خطرات سے تحفظ دیا۔

افسوس کہ آج ہم بغیر سوچے سمجھے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جو براہِ راست ہمارے دین اور ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے ٹکراتی ہیں۔ مغرب کے پجاری اسلامی تعلیمات اور احکامات کو پرانی باتیں کہتے ہیں' Out of Date قرار دیتے ہیں اور مغربی معاشرے کی بیمار روایتوں کو صحت مند سرگرمی کہا جا رہا ہے۔ حالانکہ افراد اور معاشروں دونوں کی صحت و سلامتی کی ضامن تو اسلامی تعلیمات ہیں۔ جو باطنی امراض کے لیے شفا کا ذریعہ ہیں۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ......﴾ (یونس: 57)

''لوگو! تمہارے پاس آ گئی' تمہارے رب کی طرف سے موعظت جس میں سینوں کی بیماریوں (روگ) کی شفا ہے''۔

یہ مخلوط میراتھن اور بے حیائی کے مظاہرے ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہیں۔ ہمارے دل اِس قدر سخت ہو چکے ہیں ہم پر ابھی زلزلہ کی آفت آئی ہے' مگر پھر بھی ہم اپنی روش تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے' بلکہ اس کی نافرمانی میں اور جری ہو رہے ہیں۔ یہ زلزلہ ہمارے لیے ایک عبرت تھی' یہ سانحہ ہمیں جگانے کے لیے تھا' لیکن ہم نہیں جاگے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اللہ کی ایک اور ناراضی مول لے کر زلزلہ زدگان کی مدد کریں گے۔ قوم کی بہو بیٹیوں کو سڑکوں پر دوڑائیں گے۔

ہمارے اربابِ اقتدار اپنے پروٹوکول' اپنے عشائیوں اور ظہرانوں اور اپنی عیاشیوں میں کمی کرنے پر تیار نہیں جبکہ قوم کی بہو بیٹیوں کو سڑکوں پر دوڑا کر متاثرین

رواداری یہ ہے کہ اختلاف رائے کو برداشت کیا جائے' اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام دشمن قوتوں کی خوشنودی کے لیے اپنے دین میں تحریفات کر دی جائیں

زلزلہ کی امداد کا اہتمام کر رہے ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا وہ اپنی تعیشات پر خرچ ہونے والی رقم زلزلہ متاثرین کو نہیں دے سکتے' کیا اللہ کی ناراضی مول لے کر ہی پیسے جمع ہوتے ہیں؟ یا انہوں نے سرزمین پاک کو فلپائن بنانے کا تہیہ کر لیا ہے' جہاں جابجا دعوت گناہ کے مظاہر دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال نے کہا تھا۔

کون ہے تارک آئین رسول مختارؐ
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار
کس کی نگاہ ہوئی طرزِ سلف سے بیزار

برادرانِ اسلام! ہمارا دشمن بڑا شاطر ہے۔ وہ ہمیں گڑ دے کر مار دینا چاہتا ہے۔ وہ پُر فریب طریقوں سے ہماری حیا چھیننا اور غیرت کا جنازہ نکالنا چاہتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ جب مسلمان قوم کے اندر بے غیرتی بڑھ جائے گی' وہ لڑنے کے قابل نہ رہے گی۔ پھر وہ اسلحہ نہیں چلا سکے گی۔ کیونکہ جب غیرت ہی نہیں ہوگی تو پھر لڑنا کاہے کو ہوگا۔ اکبر الٰہ آبادی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا کہ۔

شمشیر زن کو نئے سانچے میں ڈھالیے
شمشیر کو چھپایئے زن کو نکالیے

(یعنی غیرت مندی' جہاد' اللہ کے دین کے غلبہ کے تصورات کو چھپا دیجئے' اور عورتوں کو باہر نکالیے' سڑکوں پر دوڑایئے۔) حقیقت یہ ہے کہ یہ روش مسلمانوں کو زوال سے دوچار کرنے والی ہے' اسی لیے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

ہم اربابِ اقتدار سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ دنیا کے حقیر فوائد کی خاطر اسلام کا چہرہ مسخ نہ کریں' اسلامی اقدار اور ثقافت کے منافی سرگرمیوں سے باز آجائیں' نام نہاد روشن خیالی' ناچ گانے' مخلوط میراتھن تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ ڈریں اُس وقت سے جب کہ اللہ کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب سے بچائے' ہمیں ہدایت پر قائم رکھے' منکرات سے بچنے' طاغوتی نظام کے خاتمے اور اپنے عادلانہ نظام زندگی کے غلبے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

افکارِ معاصر

تب کیا ملا؟

وسعت اللہ خان

ماخوذ: بی بی سی اُردو ڈاٹ کام

حیرت کی بات یہ ہے کہ جن نتائج پر اسرائیل کو بغلیں بجانی چاہئیں' ان پر بظاہر وہ صدمے میں ہے۔ اسرائیل کو اپنی بقا کے جواز اور اقدامات کی تاویل کے لیے ہمیشہ ایک دشمن درکار تھا اور شاید رہے گا۔ اسرائیل 14 مئی 1948 کو خطۂ فلسطین میں اس لیے وجود میں لایا گیا تھا کیونکہ ہٹلر کے ستائے ہوئے یہودیوں کو ایک ایسی پناہ گاہ درکار تھی' جہاں وہ آئندہ زندگی نسل کشی کے خوف سے آزاد ہو کر گزار سکیں۔

اپنے وجود کے روزِ اوّل سے 5 جون 1967ء کے درمیان انیس برس کے عرصے میں اسرائیل کو اس بنیاد پر امریکہ اور یورپ کی سیاسی' اقتصادی' اخلاقی' فوجی اور ایٹمی امداد ملتی رہی کیونکہ اسرائیل مغرب کو مسلسل باور کراتا رہا کہ چالیس لاکھ آبادی والے چھوٹے سے ملک کو بیس کروڑ عرب نگلنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ 5 جون 1967ء کو اسرائیل نے گولان' غربِ اردن اور جزیرہ نما سینا پر یہ کہہ کر قبضہ کر لیا کہ اسے 1956ء کی طرح عرب ممالک کے پیشگی اجتماعی حملے کا خطرہ تھا۔ اور خود کو قائم رکھنے کے لیے اسے اسٹریٹیجک ڈیپتھ درکار ہے۔

اِس جارحیت کے بعد جب اقوامِ متحدہ کے ارکان کی اکثریت نے اسرائیل کو مظلوم کے بجائے جارح قرار دیا تو اسرائیل نے یہ نیا خطرہ بتایا کہ اسے عرب ممالک کے علاوہ پی ایل او سمیت فلسطینی دہشت گردوں سے خطرہ ہے جو کھلم کھلا اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کے وکیل ہیں۔ چنانچہ اس خطرے کا سدباب کرنے کے لیے لبنان پر فوج کشی کر کے بیروت سے 1982ء میں پی ایل او کا ہیڈ کوارٹر ختم کیا گیا۔ فلسطینی مہاجر کیمپوں میں دو ہزار کے لگ بھگ پناہ گزینوں کا قتلِ عام ہوا اور اس کے بعد تیونس میں بھی پی ایل او کے نئے ہیڈ کوارٹر پر بمباری ہوئی۔

جب پی ایل او کا براہِ راست خطرہ کم ہوا تو پھر یہ بات سامنے آئی کہ اسرائیل کو آیت اللہ خمینی' صدام حسین' معمر قذافی اور حافظ الاسد جیسے حکمرانوں سے خطرہ ہے جو اسرائیل دشمن دہشت گردوں کے کھلے پشت پناہ ہیں۔ 1988ء میں جب پی ایل او نے اسرائیل کا وجود تسلیم کر لیا اور اس کے چار برس بعد اسرائیل کو اوسلو سمجھوتے کے تحت ایک فلسطینی ریاست کا اصول تسلیم کرتے ہوئے بادلِ نخواستہ یاسر عرفات کو فلسطینی اتھارٹی کا سربراہ ماننا پڑا' تو پھر یہ کہا گیا کہ اسرائیل کو دہشت گردوں پر ہاتھ نہ ڈالنے کی یاسر عرفات کی کمزور پالیسی سے خطرہ ہے۔

جب یاسر عرفات کو تادمِ مرگ رملہ میں ان کے ہیڈ کوارٹر میں قید کر دیا گیا' صدام حسین پنجرے میں بند ہو گئے' کرنل قذافی امریکہ کے اچھے بچے بن گئے اور شام کے بشار الاسد نے لبنان سے اپنی فوجیں نکال لیں تو پھر نئے خطرے کی تلاش شروع ہوئی۔ اب اسرائیل کی بقا کو ایران کے ایٹمی پروگرام اور حماس جیسی دہشت گرد تنظیم کی انتخابی جیت سے خطرہ ہے۔ پی ایل او کی جانب سے اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے اور مسلح جدوجہد سے تائب ہونے کا فائدہ اسرائیل پچھلے اٹھارہ برس سے اٹھا رہا ہے۔ حماس کی جانب سے غیر مسلح ہونے سے انکار کا فائدہ بھی جب تک اٹھا سکتا ہے اسرائیل ہی اٹھائے گا۔ رہی بات فلسطینیوں کی تو انہیں کل ایسا کیا مل گیا جو آج کھو جانے کا ڈر ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ رفیق تنظیم اسلامی' شمالی کراچی جناب عزیر احمد صدیقی کے خالو رحلت فرما گئے ہیں۔

☆ رفیق تنظیم اسلامی شیخوپورہ ملک طارق عزیز ایڈووکیٹ کی والدہ ماجدہ قضائے الٰہی سے رحلت فرما گئیں۔

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء واحباب سے مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تنظیم اسلامی کا

آل پاکستان اجتماع ذمہ داران

4 اپریل 2006ء بمقام: قرآن آڈیٹوریم' لاہور

منعقد ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

امراء و نقباء تنظیم کی شرکت لازم ہوگی۔ دیگر ناظمین و عہدہ داران بھی شرکت کی پوری کوشش کریں۔

المعلن: ناظم اعلیٰ' تنظیم اسلامی' پاکستان

سنوسی تحریک

قائدین کا تعارف

سید قاسم محمود

اسلامی احیائی تحریکوں کی تاریخ کے سلسلے کی یہ 122 ویں قسط ہے۔ اب ہم موجودہ قسط سے مصر سے نکل کر لیبیا میں داخل ہونے والے ہیں۔ جی چاہتا ہے پیچھے مڑ کر دیکھا جائے۔ اس سلسلے کا آغاز ''ندائے خلافت'' کے شمارے بابت 7 نومبر 2002ء سے ہوا تھا اور اس کی تصنیف واشاعت کی ضرورت واہمیت کے بارے میں ہم نے ابتدائی سطور میں لکھا تھا:

''ندائے خلافت میں یہ نئے ورق کھولنے کی ضرورت اس شعورِ ذات اور خود آگہی سے پیدا ہوئی ہے جو 11 ستمبر 2001ء کو امریکا کے سر بہ فلک ٹریڈ سنٹر کے آناً فاناً تودۂ خاک ہونے کے بعد صدر جارج بُش کے لاشعور میں بھڑکتی ہوئی ''کروسیڈی آتشِ انتقام نے کرۂ ارض پر آباد ہر مسلمان کے قلب وضمیر میں پیدا کر دیا ہے''..... اُس وقت سے اب تک برعظیم پاک وہند کی جن احیائی تحریکوں کا تذکرہ ہوا' ان میں مجدد الف ثانیؒ کی مزاحمتی تحریک' شاہ ولی اللہؒ کی اجتہادی تحریک' سید احمد شہیدؒ کی جہادی تحریک' حاجی شریعت اللہؒ کی فرائضی تحریک' تیطو میاں کی اقتصادی تحریک' سن ستاون کی تحریک' خدامِ کعبہ کی تحریک' ریشمی رومال کی تحریک' خلافت کی تحریک شامل ہیں۔ ان تحریکوں کے قائدین کے شخصی اور سوانحی حالات بھی ضمناً اجاگر ہوتے رہے۔ شاہ عبدالعزیز' شاہ عبدالقادر' شاہ اسماعیل شہید' مولانا محمد جعفر تھانیسری' مولانا فضل حق خیر آبادی' حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' مولانا رحمت اللہ کیرانوی' مولانا محمد قاسم نانوتوی' مولانا رشید احمد گنگوہی' شیخ الہند مولانا محمود الحسن' علی برادران وغیرہم اس تاریخ کے ناگزیر ابواب ہیں۔ 7 نومبر 2002ء سے لے کر شمارہ بابت 9 مارچ 2005ء تک اس ''تاریخ پُر سوز'' کی 80 قسطوں میں ہم نے بمشکل برعظیم پاک وہند کی تحریکات کا احاطہ کیا۔ 81 ویں قسط سے ہم انڈونیشیا گئے اور سترہ ہزار جزائر پر محیط اس عجیب وغریب ملک کی احیائی تحریکوں کا تذکرہ چھڑا۔ وہاں کی تحریکِ مواخات' ثامنی تحریک' شرکت گانگ اسلام' شرکت اسلام' جمعیت الحمدیہ' نہضۃ العلماء' موتمر اسلامی شرق الہند اور ماشومی کے بعد ملائیشیا کی حزب المسلمین اور دوسری تحریکوں اور شخصیات کا بھی ذکر ہوا۔ پھر چند شماروں میں اتحادِ اسلامی (پان اسلامزم) کی عالمی تحریک پر چند قسطیں ضبطِ تحریر میں آئیں۔ سید جمال الدین افغانی' سید محمد رشید رضا اور مفتی محمد عبدہٗ سے مؤدبانہ ملاقاتیں کرتے ہوئے ہم سیدھے مصر پہنچے اور دنیائے اسلام کی عظیم احیائی تحریک یعنی الاخوان المسلمون کی تحریک کا سلسلہ شروع ہوا۔ شیخ حسن البنا شہید' زینب الغزالی' حسن بن اسماعیل الہضیبی' سید قطب شہید' شیخ عمر تلمسانی' جسٹس عبدالقادر عودہ شہید اور سید محمد حامد ابوالنصر کی باتیں کرتے ہوئے ہم نے سوچا کہ اب کدھر جائیں۔ سوڈان بھی قریب تھا۔ لیبیا بھی دور نہیں تھا' لیکن قدم لیبیا کی طرف اس لیے تیزی سے اٹھے کہ لیبیا کے ایک عالمِ دین اور مصلح ''امام سنوسی'' پر پروفیسر حافظ سید خالد محمود ترمذی کا تحریر کردہ پی ایچ ڈی کا مقالہ زیر مطالعہ تھا۔ سنوسی تحریک کا تذکرہ تو آئندہ قسط سے شروع ہوگا۔ موجودہ قسط میں اس تحریک کے سیاسی شعبے کا مختصر ذکر ہے۔

(سید قاسم محمود)

سید محمد بن علی سنوسی

اُنیسویں صدی میں لیبیا کے جنوبی صحرائی علاقے میں سنوسی تحریک کا آغاز ہوا' جس کے بانی سید محمد بن علی سنوسی (1787ء۔1859ء) تھے۔ وہ الجزائر کے شہر مستغانم کے قریب قصبہ ترش میں پیدا ہوئے۔ وہ بربر نسل کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قرآن حفظ کرنے اور ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے فاس (مراکش) کی جامعہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے مصر کا رُخ کیا' لیکن قاہرہ کا ماحول ان کو موافق نہیں آیا۔ جامعہ ازہر کے علماء اُن کے خلاف ہو گئے۔ علاوہ ازیں ان کو والی مصر محمد علی کی اصلاحات بھی پسند نہ آئیں اور انہوں نے اس کی غیر اسلامی سرگرمیوں کی علانیہ مذمت کی۔

قاہرہ سے محمد بن علی 1830ء میں مکہ مکرمہ چلے گئے اور 1842ء تک شیخ احمد بن ادریس فاسی (بانی سلسلۂ خضریہ) کے زیر تربیت رہے۔ 1837ء میں انہوں نے جبل ابوقبیس پر اپنے سلسلے کا پہلا زاویہ قائم کیا۔ بعد میں یہی زاویے (حلقے) سنوسی تحریک میں مرکزی حیثیت اختیار کر گئے۔ زاویوں کی تعداد 1859ء میں 22 تھی جو بڑھتے بڑھتے 1922ء میں تین سو ہو گئی۔ یہ زاویے دینی اور سماجی مرکز ہوتے تھے' جہاں قرب وجوار کے قبائل کے بچے قرآن مجید اور معمولی نوشت وخواند کے علاوہ زراعت' باغبانی' پارچہ بافی' معماری اور نجاری کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انہیں عسکری تربیت بھی دی جاتی تھی۔ یہیں باہمی تنازعات طے پاتے تھے۔ ان زاویوں کے معلمین اور متعلمین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بھی کوشاں رہتے تھے۔ اُن کی مساعی سے سوڈان' صحرائے اعظم اور مغربی افریقہ میں لاکھوں زنگی (ملحد) حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ عام مسلمانوں کی اخلاقی حالت سدھر گئی اور وہ مقامات جو رہزنوں اور جرائم پیشہ اقوام کے مسکن تھے' امن وسلامتی کا گہوارہ بن گئے۔ غرض کہ سنوسی تحریک نے اپنے پیروؤں کے دل میں احیائے اسلام کا جذبہ' عالمگیر اخوت کا داعیہ اور ملک کی عزت وآبرو کے لیے دل وجان سے قربانی کا حوصلہ پیدا کیا' جس کے حیرت انگیز مظاہر جنگ طرابلس (1911ء) میں نظر آئے۔ مصر کے الاخوان المسلمون کی طرح سنوسی ایک ہی وقت میں مبلغ' معلم' کسان اور مجاہد تھے۔ جب انہیں جہاد کی دعوت پہنچی تو وہ میدانِ جنگ کا رُخ اختیار کر لیتے۔

سید محمد بن علی سنوسی اگرچہ مالکی مسلک کے مقلد تھے' لیکن اجتہاد کے بھی داعی تھے۔ اُن کی دعوت کا مدار توحید' قرآن مجید اور سنتِ نبویؐ پر تھا۔ اس کے علاوہ وہ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ کے افکار سے بھی متاثر تھے۔ چنانچہ اُن کی تصانیف شریعت اور طریقت کا خوشگوار امتزاج تھیں۔ اُن کے نظریات کا محور یہ تھا کہ قرآن متن ہے اور حدیث اُس کی شرح ہے۔

سید محمد مہدی (1844ء۔1902ء)

سید محمد بن علی کے جانشین اور صاحبزادے سید محمد مہدی کے زمانے میں سنوسی تحریک کی قوت اور اثر ونفوذ عروج پر پہنچ گیا۔ کفرہ نے ایک دارالعلوم کی شکل اختیار کر لی' جسے 1895ء میں اُن کے والد نے تحریک کا صدر مقام بنا دیا تھا۔ اب وہاں

کے کتب خانے میں مختلف علوم کی آٹھ ہزار کتابیں تھیں۔ صحرائے اعظم میں کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کرنا (اور انیسویں صدی میں) بڑی حیرت کی بات تھی۔ سنوسی مبلغین کی تبلیغی و اشاعتی کوششوں سے دنیا کے سب سے بڑے صحرا میں نہ صرف یہ کہ چوری، قتل و غارت اور دوسرے جرائم ختم ہو گئے بلکہ صحرائے اعظم کے جنوبی حصوں میں آباد سیاہ فام حبشیوں میں اسلام بھی پھیلا۔ محمد مہدی نے سنوسی کارکنوں کی فوجی تربیت اور جنگی مشقوں کا انتظام بھی کیا اور اس طرح ان رضا کار مجاہدوں کی مدد سے وہ ایک وسیع و عریض صحرائی سلطنت کے حکمران بن گئے۔

فرانس سے تصادم

انیسویں صدی کے آخر میں جب فرانس نے مغربی افریقہ پر قبضہ کرنا چاہا تو سنوسیوں سے اس کا تصادم ہو گیا۔ سید مہدی کے انتقال کے وقت اُن کے صاحبزادے سید محمد ادریس کی عُمر صرف بارہ سال تھی۔ اس لیے تحریک کی قیادت اُن کے چچازاد بھائی سید احمد شریف (1873-1933ء) نے سنبھالی۔ فرانس نے سنوسیوں کے خلاف 1902ء میں فوجی کارروائی شروع کی۔ سید احمد شریف مسلسل دس سال تک فرانس کا مقابلہ کرتے رہے، لیکن اِس جنگ میں سنوسی تحریک کو نقصان پہنچا اور صحرائے اعظم کے جنوبی علاقوں میں اِس تحریک کا زور ٹوٹ گیا۔

اٹلی سے تصادم

فرانس سے جنگ ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ سنوسیوں کا اٹلی سے تصادم ہو گیا۔ یہ حملہ شمال کی سمت سے لیبیا پر ہوا تھا۔ سنوسی اگرچہ لیبیا کی صحرائی زندگی پر چھائے ہوئے تھے، لیکن لیبیا انتظامی لحاظ سے عثمانی سلطنت کا ایک حصہ تھا اور ساحلی علاقوں اور شہروں میں ترکی حکومت مستحکم تھی۔ اطالوی باشندے کچھ عرصے سے ساحلی علاقوں اور شہروں میں آباد ہونا شروع ہو گئے تھے اور انہوں نے کاروباری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اٹلی نے اپنے سیاسی عزائم کو پورا کرنے کے لیے ان ہی اطالوی باشندوں کی جان و مال کی حفاظت کے بہانے سے لیبیا میں مداخلت شروع کر دی۔ یہ وہی طریقہ تھا جس پر حکومتِ برطانیہ مصر میں اور حکومتِ فرانس شمالی افریقہ میں عمل کر چکی تھی۔ اٹلی نے 26 ستمبر 1911ء کو ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور 5 اکتوبر کو طرابلس پر قبضہ کر لیا۔

ترکوں کے لیے لیبیا میں جنگ جاری رکھنا بہت مشکل تھا۔ وہ سمندر کی راہ سے کوئی موثر کمک نہیں بھیج سکتے تھے۔ اس کے علاوہ بلقان میں صورتِ حال سنگین ہو گئی تھی، اس لیے ترکوں نے اکتوبر 1912ء میں اٹلی سے صلح کر لی اور لیبیا سے تمام فوجیں واپس بلانے کا وعدہ لیا۔ اس دوران میں سید احمد شریف کفرہ سے جنوب آئے اور وہاں ترک رہنما انور پاشا سے ملاقات کی جو بھیس بدل کر مصر کے راستے لیبیا پہنچے تھے۔ اٹلی کو امید تھی کہ عربوں اور ترکوں کی نسلی کشمکش کی وجہ سے لیبیا کے سنوسی اور دوسرے عرب اٹلی والوں کا خیر مقدم کریں گے، لیکن لیبیا کے حالات شام، عراق اور حجاز سے مختلف تھے۔ یہاں سنوسی تحریک نے اخوتِ اسلامی کا رشتہ اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ نسلی اور علاقائی مفادات اور تعصبات اس کو نہیں توڑ سکتے تھے۔ لیبیا کے باشندوں نے سنوسی قیادت میں ترکوں کی بھرپور مدد کی اور قدم قدم پر اٹلی کا مقابلہ کیا۔

جنگِ آزادی میں سنوسیوں کا کردار

1914ء کی جنگِ عظیم کے آغاز تک بیشتر ترک فوجیں لیبیا سے واپس چلی گئی تھیں، اس لیے اب اٹلی سے جنگ کا سارا بوجھ سنوسیوں کے کندھوں پر آ پڑا۔ اِس جنگ میں جواب لیبیا کی جنگِ آزادی بن چکی تھی، سیّد احمد شریف کی قیادت میں سنوسیوں نے 1918ء تک اٹلی سے جنگ کی۔ 1915ء میں اٹلی اتحادیوں کی طرف سے جنگِ عظیم میں شامل ہو گیا، جس کی وجہ سے سنوسی مجاہدین کا برطانیہ سے بھی تصادم ہو گیا۔ اور فروری 1916ء میں برطانوی فوجوں نے سنوسی حُریت پسندوں کو شکست دی۔ سید احمد شریف اب لیبیا سے نکل کر نخلستانِ داخلہ (مصر) میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، جہاں سے ستمبر 1918ء میں وہ ترکی چلے گئے۔

یہ وہی سیّد احمد سنوسی ہیں جو عرب قوم پرستوں کے مقابلے میں برابر خلافتِ عثمانیہ کی تائید کرتے رہے۔ 1910ء میں سید احمد سنوسی نے سید محمد سنوسی کو لیبیا میں سنوسی تحریک کی قیادت سونپی اور خود ترکی سے امداد لینے استنبول چلے گئے، لیکن اگلے سال ترکوں کو عالمی جنگ میں شکست ہو گئی۔ سید احمد شریف نے اب اتاترک کی حمایت کی، لیکن جب اتاترک کامیاب ہو گئے تو اُن کی مغرب پرستانہ اصلاحات سے مایوس ہو کر سید احمد سنوسی 1923ء میں دمشق چلے گئے۔ یہاں انہوں نے شام کو ترکی کے ساتھ متحد کرنے اور اسلامی ممالک کے اتحاد کے لیے جدوجہد کی، لیکن 1924ء میں فرانس کی گرفتاری سے بچنے کے لیے سعودی عرب میں پناہ لی اور وہیں مدینہ منورہ میں 1933ء میں وفات پائی۔

اٹلی کو امید تھی کہ عربوں اور ترکی کی کشمکش کی وجہ سے سنوسی اٹلی والوں کا خیر مقدم کریں لیکن سنوسیوں کے اخوت اسلامی کے رشتہ کو علاقائی مفادات ختم نہ کر سکے۔ سنوسیوں نے اٹلی کا بھرپور مقابلہ کیا۔

سید محمد ادریس سنوسی

اب سنوسی تحریک کی قیادت سید محمد ادریس سنوسی کے ہاتھ آ گئی۔ اٹلی اور محمد ادریس کے درمیان صُلح کے مذاکرات شروع ہوئے۔ اِن مذاکرات کے نتیجے میں اٹلی نے محمد ادریس کو صحرائی علاقوں میں سنوسی تحریک کا امیر تسلیم کر لیا، لیکن اٹلی نے بعد میں اِس معاہدے کی خلاف ورزی کی، جس کی وجہ سے پھر لڑائی شروع ہو گئی، اور محمد ادریس سنوسی کو دسمبر 1922ء میں مصر میں پناہ لینی پڑی، جہاں سے وہ سنوسیوں کی تحریک مزاحمت کی قیادت کرتے رہے۔

محمد ادریس کے مصر چلے جانے کے بعد مارچ 1923ء میں اٹلی نے لیبیا پر مکمل تسلط حاصل کرنے کی غرض سے ایک نئی مہم شروع کی۔ سنوسیوں نے حسبِ سابق ان جارحانہ کارروائیوں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کیا۔ جنگ کا یہ سلسلہ 1933ء تک جاری رہا۔ اس جنگ میں سنوسی مجاہدین کی قیادت ایک اور سنوسی شیخ عمر مختار نے کی۔ اس جنگ میں اٹلی کی فوجوں نے سخت ظلم و ستم اور بربریت اور دہشت گردی کا مظاہرہ کیا۔ سنوسی زاویے ڈھا دیئے گئے۔ کنوؤں کو پاٹ دیا گیا، تاکہ مجاہد صحرا میں پیاس سے مر جائیں۔ جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور عمر مختار اور دوسرے رہنماؤں کو ہوائی جہاز میں اُوپر لے جا کر نیچے زمین پر پھینک دیا۔ اٹلی والوں نے اپنے خیال میں ستر سالہ بوڑھے مجاہد کو ہلاک کر کے یہ سمجھ لیا کہ اب وہ اطمینان سے ہمیشہ کے لیے لیبیا پر حکومت کرے گا، لیکن آج طرابلس کی سب سے بڑی شاہراہ اُس مردِ مجاہد کے نام پر شارع عمر مختار کہلاتی ہے۔

لیبیا کی آزادی

خلاصہ کلام یہ کہ 1933ء میں سنوسی تحریک کی مسلح مزاحمت ختم کر دی گئی، لیکن سیاسی و سماجی تحریک برابر جاری رہی۔ اطالوی دورِ حکومت میں دوسری یورپی نوآبادیوں کی طرح اٹلی نے بھی اپنی نوآبادی لیبیا میں اقتصادی مفادات کے کئی اہم کام انجام دیئے۔ تقریباً ڈھائی لاکھ ایکڑ نیم صحرائی زمین زیرِ کاشت لائی گئی۔ زیتون اور مختلف پھلوں، بادام، انگور اور لیموں کے درخت ہزاروں ایکڑ پر لگائے گئے، لیکن ہر یورپی نوآبادی کی طرح اِس معاشی اور زرعی اصلاحات سے اہلِ لیبیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ اٹلی دراصل لیبیا کو ایک اطالوی ملک بنانا چاہتا تھا۔ اِس مقصد کے لیے لاکھوں کی تعداد میں اطالوی باشندے لیبیا میں آباد کیے گئے۔ مقامی باشندوں سے زمینیں چھین کر اُن کو دے دی گئیں۔ ساحل کی بہترین زمینوں پر اطالوی باشندوں نے قبضہ کر لیا اور مقامی باشندوں کے لیے صحرائے اعظم چھوڑ دیا گیا۔ اطالوی آباد کاری کا یہ سلسلہ دوسری جنگِ عظیم تک جاری رہا۔

جون 1941ء میں جب اٹلی نازی جرمنی کے حلیف کی حیثیت سے جنگ میں شامل ہوا تو برطانیہ جو پہلی جنگِ عظیم میں اٹلی کا حلیف تھا، اب اٹلی کا حریف ہو گیا۔ سید محمد ادریس سنوسی نے لیبیا کی آزادی کے لیے اپنی خدمات برطانیہ کو پیش کر دیں اور لیبیا میں ہونے والی جنگ میں جرمنی اور اٹلی کے خلاف برطانوی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ طرابلس اور دوسرے شہر برطانیہ کے زیرِ انتظام آ گئے اور شہر خزان پر فرانس نے قبضہ جما لیا۔ جون 1949ء میں برطانیہ نے سید محمد ادریس کو سائرے نیکا کا امیر تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد لیبیا کی آزادی کے لیے گفت و شنید شروع ہوئی۔ جس کے نتیجے میں 24 دسمبر 1951ء کو لیبیا ایک آزاد اور خود مختار ملک بن گیا۔ سید محمد ادریس سنوسی اِسی نئی وفاقی مملکت کے بادشاہ تسلیم کیے گئے۔

حصولِ آزادی کے بعد

لیبیا میں دستور ساز اسمبلی پہلے ہی قائم ہو گئی تھی، جو ایک سینٹ اور ایک ایوانِ نمائندگان پر مشتمل تھی۔ لیبیا کی نو آزاد مملکت کے لیے بہت آسان تھا کہ وہ ایک آزاد جمہوریہ بنتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سنوسی سلسلے اور تحریک کی دینی و اخلاقی روایات کا وارث ہونے کے باوجود ادریس سنوسی نے لیبیا میں آئینی بادشاہت قائم کر دی، اور جس دن آزاد ہوا، اُسی دن دستور ساز

(باقی صفحہ 13 پر)

یادوں کی تسبیح

مری صُراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

قاضی عبدالقادر

تحریک سے متعارف ہونے سے قبل مجھے فلمیں دیکھنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ کوئی اچھی فلم دیکھے بغیر نہ رہتا تھا۔ انڈیا کے صوبہ سی پی (اب مدھیہ پردیش) میں میرے ماموں پولیس میں انسپکٹر تھے۔ 1946ء میں اسکول کی چھٹیوں میں میں ان کے پاس گیا تھا۔ وہاں شہر ساگر میں زندگی میں پہلی فلم دیکھی تھی۔ اس کو دیکھنے کے لیے والد صاحب نے خاص طور پر پیسے دیئے تھے۔ پھر تو فلم دیکھنے کی لائن لگ گئی۔ سب سے نچلی کلاس میں یعنی کم پیسوں میں فلم دیکھتے تھے۔ تحریک اسلامی سے تعارف کے بعد ہم نے فلم بینی بالکل چھوڑ دی۔

میں میٹرک کا طالب علم تھا۔ اسکول کے ڈرائنگ روم میں لڑکوں کی بنائی ہوئی تصویروں کی نمائش لگی ہوئی تھی۔ ایک تصویر واقعی بڑے غضب کی تھی جس نے دل پر بڑا ہی اثر کیا..... تصویر میں ایک خوب صورت عورت کا چہرہ نمایاں تھا جو افق پر جھانکتا دکھایا گیا تھا اور زمین پر ایک درخت کے نیچے ایک کھوپڑی (کاسۂ سر) پڑی تھی جس کو دیکھ کر بدن میں خوف کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ وہ عورت افق کے پار سے موت کے بعد نیچے پڑی اپنی اس خوفناک کھوپڑی کو دیکھ رہی تھی۔ اس تصویر کا Caption تھا: ''حُسن کا انجام''..... کیا خوبصورت' کیا بدصورت ہر ایک کے مرنے کے بعد کیا کھوپڑی کا اسی طرح کا ڈھانچہ رہ جائے گا!..... اُف میرے خدا!..... کیا میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا!..... ایک کپکپی سی بدن میں طاری ہوگئی۔ روح کے نکل جانے کے بعد ایک بے جان لاشہ جسے کیڑے کھا رہے ہوں..... گوشت گل سڑ کر اور کیڑوں کی خوراک بننے کے بعد صرف ہڈی کا ڈھانچہ..... جیسے تصویر میں یہ ایک کاسۂ سر ہے..... کیا میرے ساتھ بھی یہی ہوگا؟..... کیا یہی زندگی کا انجام ہے؟۔

موت کی ہچکی کے آتے ہی سب رشتۂ دنیا ٹوٹ گیا
روح نے پائی تن سے رہائی' قید سے قیدی چھوٹ گیا

لیکن نہیں..... نہیں..... موت زندگی کا The End نہیں۔ یہ تو دوسری زندگی کا دروازہ ہے..... موت زندگی کا ایک وقفہ ہے' یعنی آگے چلیں گے دم لے کر۔

تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم رواں' ہر دم جواں ہے زندگی

لیکن سچ مانئے آج بھی 55 سال گزرنے کے بعد میں جب اس تصویر کا تصور کرتا ہوں تو دنیا کی بے ثباتی و بے رغبتی اور آخرت کے تصورات ایک ہلچل سی مچا دیتے ہیں۔

آیئے اب آپ کو ایک خاص واقعہ سنائیں۔

1951ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان کو راولپنڈی کے ایک جلسۂ عام میں کسی بدبخت نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ اس وقت خواجہ ناظم الدین صاحب گورنر جنرل تھے۔ چنانچہ ''ملائے اعلیٰ'' میں طے ہوا کہ خواجہ ناظم الدین صاحب وزیراعظم اور ملک غلام محمد (جو وزیر خزانہ تھے) گورنر جنرل بنا دیئے جائیں۔ خواجہ ناظم الدین صاحب کے بطور وزیراعظم تقرر کے بعد رات کو ان کی ایک تقریر ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والی تھی۔ ہم لوگ سب مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کے ہاں جمع تھے۔ دیگر حضرات کے علاوہ ان میں مولانا ماہر القادری بھی تھے۔ ریڈیو کھلا تھا اور خواجہ صاحب کی تقریر کا بڑی بے چینی سے انتظار ہو رہا تھا۔ تقریر ہوئی' سب نے سنی۔ ماہر صاحب حسب عادت اس دوران کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئے۔ جب تقریر ختم ہوگئی تو یکدم ہڑبڑا کر اٹھے اور پوچھنے لگے کہ تقریر میں ابھی کتنی دیر ہے۔ سب ہی لوگ ہنس دیئے۔ ماہر صاحب مرحوم کی بیٹھے بیٹھے سونے کی ''مشہور و معروف'' عادت تھی۔ مشاعرہ کی صدارت کر رہے ہیں اور بیٹھے بیٹھے مزے کی نیند کا بھی لطف اٹھا رہے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب کو میں نے پہلی بار 1951ء میں کراچی میں دیکھا۔ موصوف عموماً شیخ سلطان احمد صاحب کے ہاں قیام کرتے تھے' جن کا دو کمروں اور دو برآمدوں پر مشتمل پیر الٰہی بخش کالونی میں ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ مولانا مودودی کا کارکنوں سے خطاب بھی قیام گاہ کے قریب پیر کالونی کی جامع مسجد میں تھا۔ ہم بھی وہاں پہنچے۔ مسجد کا پتہ نہ تھا۔ شیخ سلطان احمد صاحب کے مکان پر پہنچ کر پتہ معلوم کیا۔ مسجد میں مولانا کو پہلی بار دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ ان کا خطاب پہلی بار سنا' جس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اب تک جو ہم علماء دین کا خطاب سنتے رہے تھے' یہ اس سے بالکل جدا تھا۔

آفاق	ہا	گرویدہ	ام
مہر	بتاں	درزیدہ	ام
بسیار	خوباں	دیدہ	ام
لیکن	تو	چیزے	دیگری

1951ء میں اسلامی جمعیت طلبہ کا چوتھا سہ روزہ سالانہ اجتماع 2 تا 4 نومبر لاہور میں منعقد ہوا۔ اس سے پہلے کے تین اجتماعات بھی لاہور ہی میں ہوئے تھے۔ کراچی سے پندرہ بیس رفقاء پر مشتمل جس گروپ نے شرکت کی' اس میں یہ خاکسار بھی شامل تھا۔ یہ پہلا سالانہ اجتماع تھا جس میں میں نے شرکت کی۔ لاہور اسٹیشن سے ہم ہفت روزہ ''کوثر'' کے دفتر پھول بلڈنگ' گوالمنڈی لے جائے گئے۔ تھوڑی سی جگہ میں سب نے رات وہیں بسر کی۔ لاہور کے رفقاء ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ایک رفیق جو عمر میں مجھ سے بڑے تھے' بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ کہنے لگے کہ یہاں پر جگہ تنگ ہے' ہمارے ساتھ ہاسٹل چلو' سفر سے تھکے ہوئے آئے ہو' رات وہیں پر آرام کر لینا۔ میں نے ان کا بہت شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ جس حال میں میرے دوسرے ساتھی ہیں' اسی حال میں میں بھی رہوں گا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ رفیق (ڈاکٹر) اسرار احمد صاحب تھے جو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے اسٹوڈنٹ تھے۔ یہ تھی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے اس بندہ کی پہلی ملاقات.....! سالانہ اجتماع میں باہر سے آنے والے تمام رفقاء کا انتظام دہلی مسلم ہوٹل' انارکلی میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ صبح ہی ہم وہاں منتقل ہوگئے۔

اجتماع کی کارروائی تین روز تک جاری رہی۔ اس میں Delegates کے خصوصی اجتماعات کے علاوہ مال روڈ پر واقع وائی ایم سی اے ہال میں طلبہ کا ایک اجتماع عام بھی رکھا گیا تھا۔ اس وقت یاد نہیں اس میں کن کن لوگوں نے تقریریں کی تھیں' البتہ (ڈاکٹر) اسرار احمد صاحب کی تقریر یاد ہے۔ مشرقی پاکستان سے پہلی بار سالانہ اجتماع میں شرکت کے لیے وہاں کی جمعیت کے ناظم خواجہ محبوب الٰہی صاحب بھی آئے ہوئے تھے جن کے والد کا ڈھاکہ میں وسیع کاروبار تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ خواجہ محبوب الٰہی صاحب نے لاہور کی ایک کوٹھی میں ہم لوگوں کی دعوت بھی کی تھی۔ پچھلی بار جب میں جماعت اسلامی کی انتخابی مہم کے سلسلہ میں لاہور آیا تھا تو اس موقع پر نہ وقت تھا نہ ہی خواہش کہ شاہی مسجد' شاہی قلعہ اور جہانگیر اور نور جہاں کے مقبرے دیکھے جائیں کہ یہ تفریحی مقامات تھے۔ مجھے تو مُردوں سے زیادہ زندوں سے دلچسپی تھی کہ ان میں تحریکی کام کیا جائے۔ اس مرتبہ لاہور کی جمعیت نے ہم لوگوں کو تاریخی مقامات دکھانے کا پروگرام رکھا۔ چنانچہ ان مقامات کی بھی سیر کی۔ بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ دیکھا۔ جہانگیر کا مقبرہ دیکھا' جو سیر گاہ بنا ہوا تھا۔ نور جہاں کا مقبرہ دیکھا' جو اس وقت خستہ حالت میں تھا اور اسے دیکھ کر واقعی گمان ہوتا تھا کہ ہم قبرستان میں ہیں۔ نور جہاں کی قبر پر لکھا ہوا یہ شعر واقعی اس کی صحیح عکاسی کر رہا تھا۔

بر مزارِ ما غریباں نے چراغاں نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

اجتماع کی خاص بات یہ تھی کہ اس بار ناظم اعلیٰ بھائی خرم جاہ مراد کو منتخب کیا گیا جن کا تعلق کراچی سے تھا' ورنہ اس سے قبل کے دونوں ناظم اعلیٰ کا تعلق لاہور سے تھا اور اس لیے مرکز بھی لاہور

(باقی صفحہ 17 پر)

میری بڑی خالہ

دینی ماؤں، بہنوں کے لیے اسلامی کردار کا لائیک قابل رشک نمونہ

بانی مدیر ہفت روزہ ندائے خلافت اقتدار احمد مرحوم کی بیوہ جو حال ہی میں وفات پا گئیں کی زندگی پر ایک تاثراتی تحریر

عائشہ بنت اقبال

محبت ایک شجر کی مانند ہے جس پر تعلق کے برگ و بار کی بہار ہوتی ہے۔ دل کی زمین میں پھیلی اس کی جڑیں کتنی گہرائی تک جاتی ہیں' یہ کوئی نہیں جان سکتا۔ خود انسان کو بھی اس کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب جدائی کا صدمہ اپنی پوری شدت سے ہلا ڈالتا ہے۔ تب روح کی گہرائیوں میں اٹھتی کرب کی ٹیسیں اور یادوں کا درد انسان کو حقیقت سے روشناس کرواتا ہے۔

دسمبر کے آخری عشرے میں بڑی خالہ کی بیماری کی اطلاع ملی تو امی بے قرار ہوگئیں۔ خالہ برسوں سے شوگر کی مریضہ تھیں اور دو تین بار کافی بیمار بھی رہی تھیں' لیکن اس بار نہ جانے کیا تھا کہ امی بے حد پریشان ہوگئیں۔ اگلے ہی روز چھوٹی خالہ اور ہم دونوں بہنوں کے ساتھ ان سے ملاقات کو چل دیں۔ اسی روز شام کو خالہ ہسپتال میں داخل ہوگئیں۔ تین چار روز وہاں رہ کر ان کی حالت کچھ سنبھلتی نظر آئی تو گھر واپسی ہوگئی۔ لیکن تیسرے روز صبح ان کے انتقال کی خبر آ گئی۔ چند لمحوں کو گھر میں سناٹا چھا گیا' صرف امی کی سسکیاں گونج رہی تھی۔

اتنے روز سے ذہنی طور پر کسی حد تک تیار ہونے کے باوجود اس خبر کی صداقت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اپنے بزرگوں ان کی محبت کرنے والی ہستیوں کے متعلق جن کے ہونے سے انوکھے تحفظ اور مضبوط سہارے کا احساس ہوتا ہو' نادان ذہن نجانے کیوں یہ تصور کر لیتا ہے کہ انہیں کبھی کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ یقیناً یہ ایک بچگانہ سوچ ہے لیکن ایسا ہوتا ہے اور لاشعوری طور پر ہوتا ہے۔

خالہ امی جان سے چودہ برس بڑی تھیں۔ جب امی کی پیدائش ہوئی تو نانی اماں کو ٹائیفائیڈ بخار تھا۔ چنانچہ امی کی دیکھ بھال خالہ ہی نے کی۔ امی ان سے اتنی مانوس ہوگئی تھیں کہ اپنی ماں ہی سمجھتی تھیں اور حقیقی ماں کو نانی سمجھتی تھیں۔ امی تین برس کی تھیں جب خالہ کی شادی ہوگئی۔ اس وقت تک وہ خالہ ہی کے ہاتھ سے دودھ پیتی تھی ان کی رخصتی کے بعد سے انہوں نے دودھ کو منہ لگانا چھوڑ دیا اور دو روز تک کچھ اور بھی نہ کھایا پیا۔

امی کا خالہ سے یہی تعلق اور محبت تھی جو مجھے ہمیشہ ہراساں رکھتی تھی کہ انہیں کچھ ہوگیا تو امی پر نجانے کیا بیتے لیکن خالہ کی وفات کے بعد ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر نظر دوڑائی' ان کے معاملات اور رویوں کو سوچا اور ان کے پیاروں کی باتیں سنیں تو یہ احساس ہوا کہ ہر وہ نفس جسے ان سے تعلق تھا اور ہر وہ دل جس میں ان کی محبت تھی میری امی کی طرح ان کی یاد میں بے قرار ہوگا۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جب فضول رسوم و رواج کے خاتمے اور شرعی پردے کا اعلان کیا تو اُن کی پکار پر لبیک کہنے والے سب سے پہلے خالو ہی تھے۔ خالہ نے ان معاملات میں شوہر کا پورا ساتھ دیا' اور ڈھکے چھپے بھی کبھی خیانت نہیں کی۔ مرتے دم تک پردے کا اہتمام کیا اور غیر اسلامی رسوم اور نمود و نمائش اختیار نہیں کی

ایسے لوگ کتنے پیارے اور کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں ہر کوئی اپنا سمجھتا ہے۔ جن کی محبت ہر کسی کے لیے یکساں ہوتی ہے۔ بڑی خالہ کے حالاتِ زندگی تو انہیں ایک کامیاب خاتون کے طور پر دکھاتے ہی ہیں لیکن آج سے اڑسٹھ برس قبل جب پہلوٹی کے دو جڑواں بیٹوں کی وفات کے بعد وہ نانا ابا اور نانی اماں کے آنگن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بن کر اتری تھیں تو ان کے ماتھے پر ابھری نمایاں رگ کو دیکھ کر لوگوں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ یہ بچی نہایت خوش قسمت ہے۔ ماں باپ کی مہربان گودوں میں ان کی زندگی کے سفر کا آغاز ہوا تھا۔ چند ہی برسوں میں وہ اس قابل ہوگئی تھیں کہ چھوٹے موٹے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹا سکیں۔ خالہ کے بعد نانی اماں کے نو بچے ہوئے تھے۔ وہ چودہ برس کی تھیں جب آخری بچی یعنی میری امی پیدا ہوئیں۔ نانی اماں کی بیماری کی وجہ سے خالہ پر اس کم سنی میں ہی گھر کے تمام کاموں اور ننھی بہن کو سنبھالنے کی ذمہ داری آن پڑی۔ بغیر کسی نافرمانی اور پھوہڑ پنے کا مظاہرہ کیے انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے یہ ذمہ داری نبھائی۔ چھوٹی عمر کی ان خوبیوں نے انہیں ماں باپ کی لاڈلی بنا دیا تھا۔ وہ بہت چھوٹی سی تھیں جب نانا ابا ٹوکرا بھر آم یا دوسرے پھل لے آیا کرتے۔ نانی اماں پوچھتیں اتنا کیوں اٹھا لائے ہیں تو نہایت محبت سے کہتے' مریم بیٹی کھائے گی نا۔ فوت ہونے سے قبل نانا ابا کا آخری جملہ بھی یہی تھا کہ مریم آئی ہے؟ آخری وقت میں خالہ ہی ان کے پاس تھیں۔

جن دنوں نانا ابا رحیم آباد میں لغاری خاندان کے اسکول کے پرنسپل تھے تو مالی آسودگی بھی تھی' معاشرتی عزت اور مقام بھی تھا لیکن نانی اماں نے خالہ کو تمام گھریلو کاموں میں ماہر کیا تھا۔ عام لڑکیوں کی طرح دوسرے مشاغل میں وقت برباد نہیں کرنے دیا تھا۔ سترہ برس کی عمر میں خالہ کی شادی ہوگئی تھی اور اس وقت تک وہ لڑکیوں کے سیکھنے کے ہر ہنر میں ماہر ہو چکی تھیں۔ کڑھائی' سلائی' بُنائی' ہر قسم کے کھانے' چٹنیاں' اچار' مربے' حلوے' لڈو..... کون سا ایسا کام تھا جو انہیں نہیں آتا تھا اور پھر دوڑ دوڑ کر شوق سے کام کرنا۔ چھوٹی خالہ ہنستے ہنستے بتاتی ہیں کہ آپا اور میں کام تقسیم کر لیا کرتے تھے' لیکن ہوتا کیا تھا کہ آپا تو جلدی میں اپنے حصے کا کام نمٹا کر فارغ ہو جاتیں اور میں ابھی کر رہی ہوتی تھی۔ میرے دل میں یہی خیال آتا کہ یقیناً انہوں نے آسان کام اپنے ذمے لیا ہوگا۔ چنانچہ اگلے روز میں ان کا کام خود لے لیتی' اپنا انہیں دے دیتی۔ لیکن ہوتا پھر وہی کہ آپا پہلے فارغ ہو جاتیں اور میرے ذہن میں پھر شکوک و شبہات جنم لے لیتے۔ یوں ادلا یاں بدلیاں جاری رہتیں۔ فاتح ہمیشہ آپا ہوتیں۔

خالہ نے نانا جان سے بنیادی عربی' فارسی بھی پڑھی تھی اور دنیاوی ڈگریاں نہ ہونے کے باوجود وہ حُسن اخلاق' آداب گفتگو' رکھ رکھاؤ اور تہذیب میں کسی سے کم نہ تھیں بلکہ نہایت نمایاں اور ممتاز تھیں۔ یہی وجہ تھی کم سنی میں شادی ہو جانے کے باوجود رب پر پختہ یقین' ماں باپ کی عمدہ تربیت اور اپنے ذاتی خصائل کی بناء پر وہ ایک فرمانبردار بہو' خدمت گزار بیوی اور شفیق و سمجھ دار ماں ثابت ہوئیں۔ ورنہ سترہ برس کی عمر میں آج کل کی بچیاں تو خود سنبھالنے والی ہوتی ہیں کجا کہ گھر بھر کا نظام چلا سکیں۔

ماں باپ کی محبتوں بھری چھت سے نکل کر خالہ نے ازدواجی زندگی کی کٹھنائیوں میں قدم رکھا تو عمل کا ایک وسیع چٹیل میدان ان کے سامنے ویران پڑا تھا۔ جسے انہوں نے

آخر کار اپنی محنتوں سے ایک لہلہاتا گلستان بنا ڈالا۔ مشترکہ خاندانی نظام میں رہتے ہوئے کبھی ساس سسر جیٹھانیوں' دیوروں اور شادی شدہ نندوں کو ان سے شکایت نہ ہوئی بلکہ باہم محبتوں میں اضافہ ہوا۔ قریب رہیں تو بندہ اگر واقعی خوبیوں کا مالک ہے تو محبتیں بڑھتی ہیں ورنہ دوسرے عیب نمایاں ہو کر پہلی محبت بھی ختم کر دیتے ہیں۔

شوہر سے بھی ان کی محبت مثالی تھی۔ خالو کھانے پینے کے شوقین تھے لیکن خالہ نو بچوں کی مصروفیات کے باوجود اکثر ان کے شوق کی تکمیل کرتی رہتی تھیں۔ اتنے بچوں کے ساتھ خواتین عموماً شوہروں سے غافل ہو جاتی ہیں لیکن خالو کو کبھی خالہ سے شکایت نہیں ہوئی تھی۔ ہر طرح کے معاملات دونوں باہم مشورے سے طے کرتے تھے۔ جب خالو کے بڑے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فضول رسوم و رواج کے خاتمے اور شرعی پردے کا اعلان کیا تو حقیر دنیا کی ترجیحات کو ٹھوکر مار کر ان کی پکار پر لبیک کہنے والے سب سے پہلے خالہ خالو ہی تھے۔ خالہ نے ان معاملات میں شوہر کا پورا پورا ساتھ دیا' اور ڈھکے چھپے بھی کبھی خیانت نہیں کی۔ پڑ دادی پڑ نانی بن گئیں لیکن شرعی پردہ مرتے دم تک نہیں ترک کیا' اور دولت کی ریل پیل ہونے کے باوجود غیر اسلامی رسوم میں نمود و نمائش اختیار نہیں کی' بلکہ مختلف معاملات میں شوہر کی رہنمائی بھی کرتی رہیں۔ اسی لیے خالو نے ترکی کا اپنے سفرنامے کا انتساب ان کے نام ان الفاظ میں کیا۔

''مریم کے نام..... جس کی رفاقت میسر نہ آئی ہوتی تو زندگی کا یہ کمزور سا دھارا نہ جانے کس سمت بہتے کبھی کا ریگزارِ ہستی میں جذب ہو کر نابود ہو چکا ہوتا۔''

خالو خوش نصیب تھے کہ رب نے انہیں دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی اور رہنمائی کرنے والا بھائی دیا اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دو نسلیں اسلام کے سنہری اصولوں پر اس طرح عمل کرتی نظر آتی ہیں کہ ایک بھی بچہ اپنے چہرے پر سجی سنت نبی ﷺ پر چھاؤں انہیں چلاتا اور بارہ تیرہ برس کی نوخیز بچیاں بھی شرعی پردے پر مکمل عمل کرتی ہیں۔

بچوں کی تربیت خالہ نے اس انداز میں کی کہ دولت ہونے کے باوجود گھریلو کاموں میں ماہر بنایا' تن آسانی میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ لباس میں اسراف نہ ہونے دیتی تھیں۔ بے پناہ مصروف ہونے کے باوجود راتوں کو دیر دیر تک بیٹھ کر بچوں کے کپڑے خود سیتی تھیں اور محض کام نپٹاؤ نہیں بلکہ خوب نفاست سے عمدہ ڈیزائنگ کر کے تیار کرتیں۔ اتنے بچوں اتنی مصروفیت کے باوجود کبھی جھنجلاتی نہ تھیں بلکہ گنگنا گنگنا کر کام کرتی پھرتیں۔ یعنی عبادت سمجھ کر کرتیں' مجبوری سمجھ کر نہیں۔ خالہ خالو دونوں کو بچوں سے بہت پیار تھا۔ چوتھی بیٹی جو ساتویں اولاد تھیں مانگ مانگ کر لی اور نہایت محبت سے عطیہ نام رکھا۔

رزق کی بے انتہا قدر کرتیں' روٹی کے ٹکڑے بچ جاتے تو سنبھال لیے جاتے پھر کبھی گڑ ڈال کر میٹھے ٹکڑوں کا حلوہ بنا لیتیں اور کبھی حلیم۔ غرضیکہ ہر کام میں نظم و ضبط تھا' کسی کام سے غافل نہیں تھیں' لاعلم نہیں تھی۔ بازار بہت کم جاتی تھیں' جو آج کے دور میں بڑی خوبی نظر آتی ہے۔

خالہ نے دل کو خواہشاتِ دنیا سے پاک رکھا اور بچوں کی خوشیوں کے مواقع پر کبھی آپے سے باہر ہو کر دکھاوا یا ریاکاری نہیں کی۔ بڑے کہتے ہیں انسان کا دو مواقع پر پتہ چلتا ہے خوشی اور غمی میں۔ خالہ خوشیوں بھرے لمحات میں اعتدال پسند رہیں اور بڑے بڑے غم پڑے تو بے مثال صابرہ اور رب کی رضا میں راضی رہیں۔ جوان بیٹا اور داماد روڈ ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گئے تو لوگ دور دور سے تعزیت کے لیے آئے کہ اس دکھی ماں کو حوصلہ دیں۔ لیکن خود ہی ان شرمسار کر گئیں کہ ناحق تم کو ستایا اور پریشان کیا۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں۔

''انسان کا سب سے بڑا کارنامہ دل اور زبان کو قابو میں رکھنا ہے اور بہت ہی کم لوگ یہ کارنامہ سرانجام دیتے ہیں''۔

میری خالہ جان انہیں کم لوگوں میں سے تھیں' بے ضرر اور معصوم۔ شاید یہی وجہ تھی کہ بڑھاپے میں ان کا چہرہ باطن کے نور کا آئینہ بن گیا تھا معصوم و مطمئن۔

خالہ نے ایک بھرپور زندگی گزاری تھی' اپنے بچوں کے بچوں کو بھی محبتیں دیں۔ آج تصور کریں تو دکھ کی ایک لہر دل میں اٹھتی ہے کہ ان بچوں سے رب کی کتنی بڑی نعمت چھن گئی ہے۔ دعاؤں کا ایک سائبان ان کے سروں سے ہٹ گیا ہے۔ اس محرومی اور کمی کو کون پورا کر سکتا ہے۔ ایسی محبت کرنے والی ہستی پھر کہاں ملے گی جو تقریبات میں ایک ایک کو بلا کر محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ ہر

بچیوں کی خالہ نے اِس انداز میں تربیت کی کہ دولت ہونے کے باوجود گھریلو کاموں میں ماہر بنایا' تن آسانی میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ لباس میں اسراف نہ ہونے دیتیں' راتوں کو دیر تک بیٹھ کر بچوں کے کپڑے خود سیتیں

کا صبر دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ تین بیٹے بہت ہی چھوٹے فوت ہو گئے۔ اسی طرح ایک نواسہ اور چھوٹے بیٹے کے ننھے منے مرجانے والے بچوں کے صدمے بھی شدید تھے لیکن خالہ کی استقامت بھی بے مثال تھی۔

خالہ ہمدرد اور خیر خواہ اتنی تھیں کہ کام والیاں گھر آتیں تو بچوں سمیت اکثر کھانا کھا کر ہی ٹلتیں' لیکن وہ کبھی ناگواری کا اظہار نہ کرتیں اکثر لوگوں کے ماہانہ وظیفے لگا رکھے تھے۔ تکبر اور خود پسندی نام کو نہ تھی۔ ہر کسی سے محبت سے ملتیں اور کسی کو ناراض نہ رکھتی تھیں۔ جو بھی ان سے ملتا خوش ہو کر جاتا۔ خود کسی کی برائی غیبت نہ کرتیں بلکہ کوئی اور بھی کسی کی ان کے سامنے کرتا تو سنی ان سنی کر دیتیں۔ کوئی عمل کسی کا ناگوار گزرتا تو خاموش رہتیں اور ان کی خاموشی میں ہی ایک رعب اور وقار تھا۔

حساس اور نرم دل اتنی تھیں کہ کسی کی تکلیف کا سن کر رنجیدہ ہو جاتیں' کسی غریب کو شوگر ہونے کی خبر ملتی تو نہایت دکھ اور پریشان سے کہتیں: مجھے پتہ ہے کہ اس کا علاج کتنا مہنگا ہوتا ہے' وہ بیچارہ کیسے اتنا خرچہ برداشت کر سکے گا۔ اپنی ذات سے کبھی کسی کو تکلیف نہ پہنچاتی تھیں۔ نہ زبان سے نہ عمل سے۔ بہوؤں کی دوست تھیں لیکن ان کی تمام تر سعادت مندی کے باوجود اپنے ذاتی کام کرواتے ہوئے جھجکتی تھیں۔ پچھلے برس تین روز کے لیے ہمارے گھر آئیں تو ابو جان نے کہا کہ بیٹا اپنی خالہ کی خوب خدمت کر لو نہ جانے اللہ تعالیٰ پھر یہ موقع دیں' نہ دیں۔ اب ہم نے تو ان کی کیا خدمت کرنی تھی' وہ جاتے جاتے ہمیں ہی یہ کہہ کر چھوٹے بڑے پر نظر رکھ رہی ہے کہ کس نے کھانا کھایا ہے اور کس نے نہیں۔ سوتے میں ان پر چادریں لحاف ڈال رہی ہے۔ امتحانوں میں ان کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں۔ انسان کے بس میں ہو تو کبھی ایسی ہستیوں کو اپنے سے جدا نہ ہونے دے لیکن ایسا کب ہوا ہے۔ جانے والے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس بس ان کی یادوں کی کرنیں ہوتی ہیں اور دعاؤں کے تحفے۔

خالہ نے بھی تو اپنے لیے دعائیں مانگی تھیں کہ اللہ تعالیٰ حجاج کی زندگی سے بچائے۔ ہسپتالوں سے بچائے اور اللہ تعالیٰ نے کیسے قبول کیں کہ آخری نماز بھی پڑھی۔ آکسیجن اتار اتار کر ہانپتے کانپتے وضو کرتی رہیں۔ چند نمازیں ہی تیمم سے پڑھیں۔ اور اپنے گھر میں سکون سے بستر پر لیٹے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی' اس حال میں کہ چاروں طرف بیٹا' بیٹی' بہو' داماد' پوتے کھڑے ہیں۔ پوتی پیر دبا رہی ہے' کلمے کا ورد ہو رہا ہے۔ نہلانے سے لے کر قبر میں اتارنے تک تمام مراحل بہو' بیٹیوں' بیٹوں' پوتوں' داماد اور نواسوں کے ہاتھوں طے ہوئے۔ دو ہلکے ہلکے سانسوں میں نکلنے والی روح کا اطمینان ان کے چہرے پر بھی تھا اور بعد میں نظر آنے والے خوابوں میں بھی ظاہر تھا۔ نانا ابا کے آنگن کا پھول واقعی خوش بخت تھا۔

کیا یہ خوش قسمتی نہیں کہ ہر کوئی ان تعریفوں میں دوسرے سے بڑھ جانا چاہتا ہے۔ دلوں میں محبت کے جو خزانے دفن ہیں عقیدتوں کے نذرانے ہیں وہ پیش کیے جا رہے ہیں کہ صدمے کا بوجھ روحوں پر سے کم ہو۔ بہنیں'

داماد، سمدھی، بہنوئی، بھابھی اور سسرالی رشتہ دار سب حساس رشتے جن میں ذرا سی تلخی اور رنجش بہت بڑھ چڑھ کر محسوس ہوتی ہے، چھلکتی آنکھوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ بے ضرر ہستی تھیں۔

بھائی کہہ رہا ہے۔ ''آپا ولیۃ اللہ تھیں، وہ ہماری دعاؤں کی محتاج نہیں ہیں''۔ بہوئیں سسک رہی ہیں۔ ''انہوں نے کبھی ہماری باتیں اِدھر اُدھر نہیں پہنچائیں'' پوتیوں کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ دادی اماں نے کبھی سخت لہجے میں مخاطب نہیں کیا۔ سابقہ ملازمہ کہتی ہے۔ چپکے چپکے میری بہت مدد کرتی رہتی تھیں۔ ڈرائیور بھرائی آواز میں کہہ رہا ہے۔ ''بی بی جی کے مرنے کا مجھے بڑا افسوس ہے، انہوں نے میرا علاج کروایا۔ میرے بچوں کا پوچھتی تھیں۔ بڑی ہی ہمدرد تھیں''۔ ''مامی کے لیے تو بے کہے دل سے دعائیں نکلتی ہیں''۔ ''آپا کو کون بھول سکتا ہے وہ تو ہمارا سہارا تھیں''۔

اللہ اللہ۔ یہ گواہیاں، یہ محبتوں بھرے تحفے۔ لاتعداد جھلملاتی آنکھوں اور پھیلے ہاتھوں کا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا وَارْحَمْھَا کے قیمتی موتیوں کی مالا پہنانا اور محبت کے خوش رنگ پھولوں کی قبا اوڑھا کر آپ کو رخصت کرنا۔ خالہ یقیناً آپ سے خوش بخت کم ہی ہوتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اُٹھ جائیں گے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

بقیہ: سنوسی تحریک

اسمبلی نے بادشاہت کے حق میں فیصلہ دے کر لیبیا کو موروثی بادشاہت قرار دے دیا۔ یہ فیصلہ ظاہر ہے کہ سنوسی تحریک اور سلسلے کے بنیادی اصولوں اور روایات کے خلاف تھا، اس لیے جلد ہی ایک شخص کے اس یک طرفہ آمرانہ فیصلے کے خلاف قدرت کا فیصلہ بھی آ گیا۔ اگرچہ لیبیا دنیائے اسلام میں تیل پیدا کرنے والا چوتھا بڑا ملک بن گیا تھا، بن غازی اور طرابلس میں دو یونیورسٹیاں قائم ہوگئی تھیں، اور البعیضاء میں سنوسی تحریک کے بانی کے نام پر ''محمد بن علی اسلامی یونیورسٹی'' قائم کی گئی تھی۔ اب بے شک لیبیا برطانیہ اور امریکا کی مالی امداد کا محتاج نہیں رہا تھا، اس لیے اُن کے فوجی اڈوں کو ختم کرنے کا مطالبہ زور پکڑ گیا، لیکن ابھی مذاکرات جاری تھے کہ یکم ستمبر 1969ء کو، جب شاہ ادریس سنوسی یونان کے دورے پر تھے، فوج نے بغاوت کر کے بادشاہت کا تختہ اُلٹ دیا اور لیبیا کو ایک جمہوریہ قرار دے دیا۔ لیبیا کا فوجی انقلاب بھی عراق، شام، مصر، سوڈان اور پاکستان کی طرح فوج نے برپا کیا تھا۔ لیبیا کے فوجی انقلاب کو 35 سال ہو رہے ہیں، اب تک انقلاب کے قائد کرنل معمر قذافی جمہوریۂ اسلامیہ لیبیا کے صدر بھی چلے آ رہے ہیں۔ (جاری ہے)

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

بقیہ: اداریہ

یہاں ہم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمان حکمرانوں کو نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیے۔ بیرونی قوتوں کے بھروسے پر نہ اقتدار قائم رہ سکتا، نہ ہی باوقار حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔ اُنہیں ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کرنا ہوگا جس میں اصل قوت حق اور سچ ہو اور ہر حکمران ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اِس فرمان پر سختی سے کاربند ہو جو انہوں نے خلیفہ بننے کے فوراً بعد جاری کیا تھا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ بحیثیت حاکم میرا فرض منصبی ہوگا کہ میں طاقتور سے کمزور کو اُس کا حق دلاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی اصل کی طرف لوٹے بغیر قوت حاصل نہیں کر سکتے۔ مسلم دشمن قوتیں اگر فلسطینیوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو عرب بھی نہیں بچیں گے اور مسلم ممالک کو بھی مکمل طور پر سرنگوں ہونا پڑے گا۔ امت مسلمہ کی بقا صرف اور صرف اسلام کو نجی اور اجتماعی سطح پر اپنانے میں مضمر ہے۔ آخر میں ہم حماس کو اُس کی شاندار کامیابی پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور اُس کی آئندہ کامیابیوں کے لیے دعاگو ہیں۔

دعائے صحت کی اپیل

☆ حلقہ گوجرانوالہ کے ملتزم رفیق محمد سلیم رحمانی کا ریڑھ کی ہڈی کا آپریشن ہوا ہے۔

☆ نقیب اُسرہ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور جناب غلام سرور جاوید کا بیٹا علیل ہے۔

☆ رفیق تنظیم اسلامی شمالی سندھ زریں محمد علی خان کی والدہ علیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب بیماروں کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین!

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء و احباب سے ان کے لیے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

شہر حرام

ماہ محرم الحرام کی شرعی حیثیت

تحریر: عبدالرشید عراقی

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ اس مہینے کی دسویں تاریخ کو یوم عاشورہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مہینہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت کے متعلق کتب حدیث میں صریح احادیث موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے مدینہ میں مقیم یہود کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپؐ نے یہود سے دریافت کیا: تم اس دن کیوں روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا، یہ دن ہمارے ہاں بہت ہی عظمت والا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات دلائی تھی۔ فرعون کو دریائے نیل میں غرق کر دیا تھا، اس لیے ہم ان کی پیروی میں اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ یہود سے یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے پیغمبر علیہ السلام سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے، اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ پھر رسول ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا، اور اپنی امت کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے، کہ یوم عاشورہ زمانہ جاہلیت میں بھی قریش مکہ کے ہاں بڑا محترم تھا۔ وہ اس دن کا بڑا احترام کرتے تھے، اس دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے اور روزہ بھی رکھتے تھے۔ مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق یوم عاشورہ کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے یوم عاشورہ کو روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی لیکن جب 2 ہجری رمضان کے روزے فرض ہوئے تو یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی۔ ابتداء اسلام میں جس معاملہ میں صراحت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا، اس میں آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے، لیکن فتح مکہ کے بعد جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو آپؐ نے اہل کتاب کی مخالفت کا حکم فرمایا کہ دسویں محرم کے ساتھ نویں یا گیارھویں محرم کو بھی روزہ رکھا جائے تاکہ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

محرم الحرام کے مہینہ کی بڑی فضیلت ہے۔ اس کی نویں، دسویں اور گیارھویں کو روزہ رکھا جاتا ہے۔ لیکن بعض مسلمانوں نے اس مہینہ کو سینہ کوبی اور نوحہ خوانی میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اس دن نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسین بن علی بن ابی طالبؓ کربلا کے میدان میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ صحیح طرز عمل یہ ہے کہ ہم اس مقصد کو سامنے رکھیں جس کے لیے حضرت حسینؓ نے اپنی جان بھی قربان کر دی۔ حضرت حسینؓ کے اصل متبعین وہ ہیں جو آپ کے اس مقصد کو زندہ کرنے کی خاطر کوشاں ہیں اور جان مال قربان کر رہے ہیں۔ حضرت حسینؓ کی شہادت ہمیں دین کے لیے جان، مال، اولاد اور خاندان کو قربان کرنے کا سبق سکھاتی ہے۔

میراتھن ریس یا مغربی کلچر؟

اظہر اقبال حسن

جب سے جنرل پرویز مشرف اقتدار پر براجمان ہوئے ہیں، وہ ایک تسلسل کے ساتھ امریکہ اور یورپ کے خدا بیزار اور مادر پدر آزاد تہذیب کے نفاذ کے اعلانات کر رہے ہیں۔ اور بے حیا اور اخلاق و کردار سے عاری نام نہاد کلچر کو پاکستان میں متعارف اور پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا کو اپنا ہیرو قرار دیا، جس نے خلافت عثمانیہ کے زوال پر ترکی میں اذان، عربی زبان، قرآن، داڑھی، پردہ دیگر اسلامی شعار اور اقدار پر پابندی لگا دی تھی۔ گلی کوچوں میں ڈانس کلب اور پب کھول دیئے گئے اور اختلاط مرد و زن اور شراب و کباب کے تمام مواقع پیدا کیے گئے۔

جنرل پرویز کی اس سوچ سے پاکستانی عوام کے اظہار لاتعلقی، بیزاری اور نفرت کے باوجود بھی حکومت اس ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔ بسنت جیسے ہندووانہ تہوار نیو ائر نائٹ اور ویلنٹائن ڈے جیسے یورپی کلچر سے آگے بڑھتے ہوئے اب نوجوان لڑکیوں کی میراتھن ریس کے نام پر سڑکوں پر حیا باختگی کے کھلے مظاہرے دراصل اس ننگے کلچر کا دروازہ کھول دینے کے مترادف ہے، جس سے مغربی معاشرہ بھی تنگ آ چکا ہے۔ اور اس بے حیائی پر وہ خود بھی شرمندہ ہے۔ حکومت کی یہ روش پاکستان کے دوقومی نظریئے، آئین کی بنیادوں، اسلامی طرز حیات اور اخلاقی اقدار کے سراسر خلاف ہے۔ اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی حرکت ہے۔

اس وقت ملک عزیز کی صورتحال یہ ہے کہ 45 فیصد عوام خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قوم کے معصوم بچے تعلیم سے محروم ہیں اور پیٹ بھرنے کے لیے گندگی کے ڈھیروں پر خوراک تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ دوائی نہ ملنے پر ہزاروں مریض موت کا ترنوالہ بن جاتے ہیں۔ ہماری بیٹیاں تن کو چھپانے کے لیے دو گز کپڑے کے لیے ترس رہی ہیں۔ مگر حکومت غریب عوام کے ٹیکسوں سے حاصل کردہ کروڑوں روپے محض چند بگڑے ہوئے امیر زادوں اور بے حیائی کے دلدادہ چند لوگوں کی عیاشی طبع کے لیے لٹا رہی ہے۔

عوام ڈکیتی کی وارداتوں، اغوا برائے تاوان، قتل و غارت گری عدم تحفظ اور رشوت کے ہاتھوں تنگ ہیں اور انصاف کی عدم فراہمی پر خودکشیوں کا راستہ اختیار کر رہے ہیں، مگر حکومت نے پولیس اور تمام قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بے حیائی پھیلانے والے پروگراموں کے انتظامات اور احتجاج کرنے والوں کو روکنے میں لگا رکھا ہے۔

آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد کے دس اضلاع میں ہمارے پچاس لاکھ ہم وطن شدید زلزلے کے ہاتھوں

> میراتھن ریس کے نام پر بے حیائی اور ننگے مغربی کلچر کے کھلے مظاہرے، جن سے مغربی معاشرہ بھی تنگ آ چکا ہے، اسلام اور آئین کے منافی ہیں۔ یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی حرکت ہے۔

لاکھوں انسانوں کی اموات، اپنے پیاروں سے بچھڑ جانے، مکانات کاروبار کی تباہی اور شدید ذہنی صدمات سے دوچار ہیں۔ شدید برفباری اور یخ بستہ راتوں میں مدد کے لیے پکار رہے ہیں مگر ان کی مدد نہیں کی جا رہی۔

حکومتی حلقے کہہ رہے ہیں کہ میراتھن ریس سے کچھ آمدن ہوگی جو کہ زلزلہ زدگان پر خرچ ہوگی۔ مگر حکومت نے عوام کا فراہم کردہ ریلیف کا سامان زلزلہ زدگان تک نہیں پہنچایا ہے، اس کا حکومت کے پاس کیا جواب ہے۔ اگر حکومت کو زلزلہ زدگان کی اس قدر فکر ہے تو قوم سے علی الاعلان مطالبہ کرے تو آج بھی امداد کے لیے تمام پاکستانی سب کچھ لئے کر حاضر ہو جائیں گے۔ کھلاڑیوں کو ساٹھ لاکھ روپے بطور انعامات دیئے جائیں گے جبکہ اس قدر کل آمدن بھی نہیں ہوگی تو حکومت کون سی رقم زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے فراہم کرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت زلزلہ زدگان کی امداد کے بہانے اپنے ناپاک ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں مصروف ہے۔

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ عالمی بدمعاش امریکہ باجوڑ میں ہماری سرحدوں کو توڑ کر عوام پر میزائل گرا کر سالمیت پاکستان کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ بلوچستان اور وزیرستان میں اپنے ہی عوام پر فوج کشی کی جا رہی ہے۔ کالا باغ ڈیم کے نام پر وفاق اور پنجاب کے خلاف علیحدگی پسندوں کو نفرتیں بانٹنے کا ٹارگٹ دے دیا گیا ہے اور ان سے سلگتے مسائل سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے مراتھن ریس کا شوشہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہ کیسی جمہوری حکومت اور دعوے ہیں کہ کروڑوں عوام نے اقدام سے اپنی بیزاری اور نفرت کا اعلان کیا ہے اور حکومت سے دوڑ کو منسوخ کرنے کی اپیل کی، مگر حکومت نے روشن خیالی، جدیدیت، لبرل ازم، اعتدال پسندی کے پر فریب نعروں اور دنیا کے سامنے اپنا سیکولر چہرہ دکھانے کے لیے عوام کے جذبات کو کچلا اور ان کے ایمان و ضمیر کو نیلام کیا گیا۔

اگر قوم کو چاک و چوبند رہنے اور صحت کے لیے دوڑ اور واک کی ترغیب دینا ہی مقصود ہے تو اس کے لیے پارک، کھیلوں کے میدان اور سہولتیں فراہم کی جائیں۔ حکومت میڈیا کے ذریعے احساس بیدار کرے۔ لاہور کی سڑکوں اور ٹریفک کو بند کر دینا، ٹرانسپورٹ کو بند کر کے نظام زندگی کو معطل کر دینا اور قوم کا قیمتی وقت ضائع کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟

طالبات کے سرکاری و پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی انتظامیہ، ہسپتالوں کے خواتین عملہ و نرسوں اور ہیلتھ کیئرز کے اداروں میں کام کرنے والی خواتین کو مجبور کیا گیا کہ وہ ریس میں شرکت کے لیے رجسٹریشن کروائیں اور والدین سے زبردستی اجازت لیں، یہ ریاستی جبر نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ عوام کی مرضی کے خلاف ان کی جوان بیٹیوں کو سڑکوں پر غیر مردوں کے سامنے دوڑنا اور پھر ان کی ویڈیو فلمیں کافروں کو دکھا کر اپنی روشن خیالی کی سند حاصل کرنا، جبکہ بچیوں کو تو والدین زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کے لیے تعلیمی اداروں میں بھیجتے ہیں۔ کس قدر قابل اعتراض بات ہے کہ خواتین کو سڑکوں پر دوڑایا جائے اور مردوں کو دعوت نظارہ دی جائے۔

حکومت کو چاہئے کہ وہ پاکستان کے آئین، اسلامی طرز حیات اور اقدار سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے۔ حکومت خود عوام کو تصادم کی دعوت نہ دے بلکہ اپنے حلف کی پاسداری کرے۔

(بشکریہ نوائے وقت)

تفہیم المسائل

☆ کیا اضطراری حالت میں امام سے آگے صف بنانا جائز ہے؟

☆ حرام کمائی سے کی جانے والی دعوت قبول کی جائے یا نہیں؟ ☆ کیا صلوٰۃ التسبیح باجماعت ادا کی جاسکتی ہے؟

☆ کیا اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں کوئی شرعی عذر مانع ہے؟

قارئین ندائے خلافت کے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

س: کیا قرآن کو پڑھنے کے لیے عربی گرائمر پڑھنی ضروری ہے؟ کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک گرائمر کا محتاج نہیں ہے۔ (محمد ندیم)

ج: قرآن پاک گرائمر کا محتاج نہیں ہے' ہم قرآن کو سمجھنے کے لیے گرائمر کے محتاج ہیں۔ اسی طرح قرآن حکیم' جو کتاب ہدایت ہے' اُسے سمجھنے کے لیے عربی گرائمر کا جاننا ضروری ہے۔ اِس کے بغیر قرآن حکیم کو پورے سے طور سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی تلاوت کے لیے تجوید سیکھنا بھی ضروری ہے۔

س: یورپ میں اکثر مساجد میں جگہ کی کمی ہوتی ہے۔ نماز جمعہ میں تو نمازیوں کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جگہ کی کمی کے سبب نماز کے لیے امام صاحب سے آگے بڑھ کر صفیں بنائی جاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اضطراری حالت میں ایسا کرنا جائز ہے؟ (ڈاکٹر محمد جمیل)

ج: امام صاحب سے آگے بڑھ کر صف بنانا تو درست نہیں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ ایک صف بنائی جائے تاکہ ایک صف کا اضافہ ہوجائے۔ گویا امام صاحب پہلی صف کے بیچ میں آجائیں' لیکن پہلی صف کے مقتدیوں سے امام صاحب کچھ آگے ہوں۔

س: سورۃ البقرہ میں وارد ہے کہ خوف کی حالت میں سواری پر یا پیدل چلتے ہوئے نماز ادا کرلیا کرو' سوال یہ ہے کہ پیدل چلتے ہوئے رکوع اور سجدہ کیسے کیا جائے گا؟ (سعادت علی)

ج: رکوع اور سجدہ صرف اشارہ سے یعنی کچھ جھکتے ہوئے کیا جائے گا۔ جیسے بیمار آدمی کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو سجدے کے لیے صرف جھک جاتا ہے' اسی طرح خوف کی حالت میں رکوع اور سجدے کے لیے اشارہ کافی ہوگا۔

س: کیا اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں واقعی کوئی مذہبی عذر مانع ہیں یا یہ محض ایک سیاسی چال ہے؟ (نصراللہ)

ج: اسرائیل کا قیام ظلم کا مظہر ہے۔ یہودیوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ دوبارہ فلسطین میں آکر آباد ہوں' اور وہاں لوکل آبادی جو ہزار برس سے وہاں آباد تھی' انہیں کیمپوں میں رہنے پر مجبور کیا جائے' ان کی جائیدادوں پر قبضہ کیا جائے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔ گویا ظلم و بربریت اور ناانصافی کی بنیادوں پر اسرائیل کی تعمیر ہوئی ہے' لہٰذا اس کو تسلیم کرنا عدل و انصاف کے مسلّمہ قواعد کی رُو سے درست نہیں ہے۔

س: صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں بتائیے' کیا یہ باجماعت پڑھی جاسکتی ہے؟ (ثابت گل)

ج: نہیں' صلوٰۃ التسبیح باجماعت درست نہیں۔ یہ انفرادی طور پر پڑھی جانے والی نماز ہے۔ (واللہ اعلم)

س: کیا اپنے آپ کو سنی' شیعہ اور دیوبندی وغیرہ کہلانے کے بجائے صرف مسلمان کہلانا بہتر نہیں؟ (غلام مرتضیٰ)

ج: مسلمان کہلانا بڑی اچھی بات ہے۔ ہمارا اصل نام یہی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ'' ''اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا''۔ ہاں کسی کا مسلک حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی' سلفی وغیرہ ہوسکتا ہے۔

س: کیا ہم کسی جماعت میں شامل ہوئے بغیر ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ (محمد عذیر)

ج: صرف انفرادی عبادت اور تقویٰ کافی نہیں' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کسی ایسی جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے جو اقامت دین کے لیے کام کررہی ہو۔ نظام کو بدلنے کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑے گی' جانیں دینی پڑیں گی۔ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے حضور ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ آپؐ کے ستّر کے ستّر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ باطل نظام کے خاتمے کے لیے جدوجہد فرض ہے' ظاہر ہے کہ جانیں دیئے بغیر نظام نہیں بدلتا۔ لہٰذا جب تک یہ کام نہیں ہوگا' یہ نظام یونہی چلتا رہے گا۔ ہم تنظیم اسلامی کے تحت ایک ایسی جماعت بنانے کی کوشش کررہے ہیں' تاکہ جب مناسب قوت اسے حاصل ہوجائے تو اس انقلاب کے لیے میدان میں آسکے۔ اگر آپ کو تنظیم اسلامی کی فکر اور طریقہ کار سے اتفاق ہے تو ہمارا ساتھ دیجئے' ورنہ کوئی اور جماعت' جس پر آپ کا دل ٹھک جائے' جس کی قیادت پر آپ کو اعتماد ہو' اس کے ساتھ شامل ہوجائیں۔ لیکن کسی شخص کو بھی جماعت کے بغیر زندگی نہیں گزارنی چاہیے۔

س: میں ایک کروڑ مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہتی ہوں' اس کے لیے مختصر درود بتادیں۔ (خاتون)

ج: آپ اپنے لیے ایک نصاب بنالیں' اور روزانہ ایک تسبیح کرتی رہیں مثلاً کوئی درود سو مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ تاہم یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ کے ہاں Quantity نہیں دیکھی جاتی' Quality دیکھی جاتی ہے۔ لہٰذا جتنا بھی ہو استحضار قلب کے ساتھ درود پڑھ لیں۔ سب سے بہتر درود جس کی نبی اکرم ﷺ نے امت کو تلقین فرمائی ہے وہ درود ابراہیمی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

س: میرا دیور کسٹم میں آفیسر ہے' حرام کماتا ہے' اور دعوت بھی کرتا ہے۔ بتایا جائے کہ ہم تقویٰ اختیار کریں یا فتویٰ۔ اگر ہم دعوت پر نہیں جاتے تو ناراضی ہوجاتی ہے۔ (نعیمہ)

ج: بہتر یہ ہے آپ اس کو دعوت دیں' سمجھائیں کہ حلال روزی پر اکتفا کرے۔ اگر وہ نہ سمجھے تو صاف بتا دیا جائے کہ بھئی ہماری تم سے کوئی لڑائی نہیں ہے' لیکن چونکہ تمہاری کمائی میں حرام کا پہلو غالب ہے' اس وجہ سے ہم تمہاری دعوت میں شریک نہیں ہوسکتے۔ لیکن آپ ان کی دعوت گاہے بگاہے کرتے رہیں تاکہ قطع تعلق نہ ہو۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ قطع تعلق کی بجائے احسن طریقے سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ افہام و تفہیم کی گنجائش باقی رہے' اور وہ راہ راست پر آجائے' حرام کی کمائی سے باز آجائے۔

کالم ''تفہیم المسائل'' میں سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس media@tanzeem.org پر بھیجے جاسکتے ہیں۔

تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب کا سہ روزہ دعوتی پروگرام

4 دسمبر 2005ء بروز اتوار حلقہ جنوبی پنجاب کے تمام رفقاء کا ایک خصوصی اجتماع قرآن اکیڈمی ملتان میں منعقد ہوا۔ اجتماع کا مقصد پچھلے چھ ماہ کے دوران تنظیم میں نئے شامل ہونے والے رفقاء کا تعارف اور حالیہ زلزلہ کے متاثرین کے سلسلے میں تنظیم اسلامی کی مساعی اور امدادی کارروائیوں سے رفقاء کو مطلع کرنا تھا۔ الحمد اللہ اس اجتماع میں 85 کے قریب رفقاء نے شرکت کی۔

پروگرام کا آغاز ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی کے درس قرآن سے ہوا۔ درس کے بعد نئے رفقاء کا تعارف ہوا۔ اس کے بعد امیر حلقہ نے تمام رفقاء کے سامنے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد اور امیر تنظیم محترم حافظ عاکف سعید کا تعارف اور تنظیم کے انتظامی ڈھانچے کے متعلق رفقاء کو بریف کیا۔ امیر حلقہ نے خصوصی طور پر حالیہ زلزلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے رفقاء کو متوجہ کیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔ یہ قیامت کی ایک جھلک ہے۔ اس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنی زندگی میں تبدیلی لانی چاہیے۔ اللہ کی جناب میں توبہ و استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد لاہور سے آئے ہوئے مہمان جناب سید عاصم نذیر بخاری نے داعی الی اللہ کے اوصاف اور داعیانہ کردار کی ضرورت پر خطاب فرمایا۔ نماز ظہر کے ساتھ اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ (مرتب: شوکت حسین)

تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب کا خصوصی اجتماع

مرکز کی ہدایت کے مطابق حلقہ جنوبی پنجاب میں 9 تا 11 دسمبر 2005ء تنظیم اسلامی نیو ملتان کے مرکز ''مسجد الھدیٰ'' میں تین روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام منعقد ہوا۔ اس پروگرام کے لیے بطور خاص لاہور سے مرکزی ناظم دعوت جناب رحمت اللہ بٹر اور نائب ناظم دعوت محمد جناب اشرف وصی ملتان تشریف لائے تھے۔ ساڑھے نو بجے پروگرام کا آغاز ہوا۔ بروز جمعہ جناب رحمت اللہ بٹر نے مسجد سلمان فارسیؓ میں ''عبادت رب'' کے موضوع پر اور جناب محمد اشرف وصی نے مرکز تنظیم اسلامی الھدیٰ مسجد میں ''شہادت علی الناس'' کے موضوع پر خطاب جمعہ ارشاد فرمایا۔ اس پروگرام میں دن کے اوقات میں اشرف وصی صاحب نے باہمی مذاکرہ کے ذریعے رفقاء و احباب کے سامنے دین کی اہم تعلیمات کو نہایت عمدگی سے سوال و جواب کے ذریعے پیش کیا۔

نماز تہجد کے لیے رفقاء کو دو دن جگایا گیا جس میں انفرادی نوافل کے علاوہ دعا کی اہمیت و ضرورت اور تہجد کی فضیلت پر مذاکرہ بھی ہوا۔ بعد نماز فجر ایک دن ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی نے فکر آخرت پر درس قرآن دیا اور دوسرے روز امیر حلقہ جناب سعید اظہر عاصم نے سورۃ القیامہ پر درس قرآن دیا۔

خصوصی خطابات بعد نماز مغرب منعقد ہوئے۔ ان میں جناب رحمت اللہ بٹر نے تینوں دن بالترتیب عبادت رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کی فرضیت و طریقہ کار پر خطابات فرمائے۔ شرکاء کی حاضری اوسطاً 110 کے قریب رہی۔ اہل علاقہ اس پروگرام سے بہت متاثر ہوئے۔ رفقاء کو بھی بہت فائدہ ہوا۔ جناب رحمت اللہ بٹر نے 11 دسمبر ظہر کے بعد مسجد الرشید چوک کمہاراں والہ نابینا سنٹر میں عبادت رب کے موضوع پر بھی خطاب فرمایا۔ رفقاء کی حاضری تقریباً 50 تھی۔ (مرتب: شوکت حسین)

تنظیم اسلامی میر پور کا دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی میر پور کے زیر اہتمام دو روزہ پروگرام 23 دسمبر 2005ء بروز جمعہ جامعہ صدیقیہ میر پور میں ہوا۔ یہ پروگرام بعد از نماز مغرب شروع ہوا۔ تمام رفقاء بعد نماز عصر پہنچ گئے۔ جہلم سے خلیل الرحمن کیانی بھی تشریف لے آئے۔ امیر حلقہ سید محمد آزاد نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور دو روزہ کی غرض و غایت بیان کی اور نصیحت آمیز کلمات ارشاد فرمائے۔ دو روزہ پروگرام کے ناظم جناب اسرار الحق نے سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر 7 کے حوالہ سے پُر اثر خطاب فرمایا۔ بعد از نمازِ عشاء وقفہ ہوا۔

دوسری نشست میں تعارف تنظیم اسلامی پر مذاکرہ ہوا۔ ساڑھے چار بجے صبح تہجد کے لیے بیداری ہوئی۔ بعد از تہجد فرائض دینی کے جامع تصور کے ضمن میں آیاتِ قرآنی و احادیث مبارکہ یاد کرائی گئیں۔ بعد از نماز فجر جناب سید محمد آزاد نے سورۃ الکہف کے آخری رکوع پر درسِ قرآن دیا۔ جناب اسرار الحق نے حقیقی اور قانونی ایمان کا فرق واضح کرنے کے لیے سورۃ الحجرات کی آیات (14-15) کی وضاحت کی۔ بعد ازاں سورۂ نور کے آخری رکوع کے حوالہ سے مومن کی صفات بیان فرمائی۔ ساڑھے دس تا ساڑھے بارہ بجے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کا مطالعہ کرایا گیا۔ نمازِ ظہر کے بعد رفقاء نے شہر میں گشت کیا اور مغرب کے پروگرام کے لیے دعوت دی۔ نمازِ عصر کے بعد بھی گشت ہوا اور رفقاء نے انفرادی ملاقاتیں کیں۔

مغرب کی نماز جامع مسجد غازی الٰہی بخش میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد جناب سید محمد آزاد نے ''دینی فرائض کا جامع تصور'' قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا۔ سامعین کی تعداد 50 سے زائد تھی۔ بعد نمازِ عشاء فیاض اختر میاں نے منہج انقلاب نبوی ﷺ پر خطاب فرمایا۔ سوا آٹھ بجے جامعہ صدیقیہ میں واپسی ہوئی۔ عشائیہ کے بعد قاری شبیر احمد صاحب نے انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت بیان کی۔ اگلی صبح تہجد کے بعد انفرادی تلاوت اور نماز فجر کے بعد سید محمد آزاد نے حدیث کا درس دیا۔ ناشتہ کے بعد اسرار الحق صاحب نے سورۂ نور کے آخری رکوع کا تفصیل سے مطالعہ کرایا۔ ساڑھے دس بجے شرکاء نے باری باری فرائض دینی کو بیان کیا اور آخر میں تمام شرکاء نے اپنے اپنے تاثرات بیان کیے۔ فخر عالم نے بتایا کہ آج ہم پر واضح ہوا کہ ہم کس طرح اللہ کی بندگی کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ جامعہ کے اساتذہ قاری رخسار احمد صاحب اور قاری شاہ محمد صاحب نے بہت نصرت کی۔ اللہ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین (مرتب: ظفر اقبال)

امیر حلقہ بالائی سندھ کی منفرد رفقاء سے ملاقات

پروگرام کے مطابق 25 دسمبر 2005ء کو جناب غلام محمد سومرو صاحب (امیر حلقہ بالائی سندھ) اور راقم شام ساڑھے چار بجے سکھر سے روانہ ہوئے۔ میر پور میں منفرد رفیق سیف اللہ چانڈیو صاحب سے مفید گفتگو ہوئی۔ ماڑی گیس فیلڈ ڈھرکی میں منفرد رفیق محمد بشیر شاد سے تنظیم کے دعوتی کام کے حوالے سے تفصیلی بات چیت ہوئی۔ دعوتی اور تنظیمی کام کی توسیع پر زور دیا گیا۔ اگلی صبح صادق آباد کے قریب FFC ماچھی گوٹھ میں منفرد مبتدی رفیق محمد ساجد منظور سے ملاقات ہوئی۔ ان سے دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں کے حوالے سے تبادلہ خیال ہوا۔ اس کے بعد صادق آباد تنظیم کے دفتر پہنچے۔ مقامی امیر جناب سجاد منصور سے دفتر کو درپیش مسائل پر گفتگو کی۔ تنظیمی لٹریچر کو وسیع پیمانے پر عام کرنے کی ہدایت کی تاکہ تنظیم کا تعارف بڑھے اور دعوتی کام میں پیش رفت ہو۔ ملتزم رفقاء پر زور دیا گیا کہ وہ دعوتی کام کو بڑھائیں اور کم از کم چار احباب کو ٹارگٹ بنا کر دعوتی مراحل سے گزارنے کے بعد شمولیت کی دعوت دی جائے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ تمام رفقاء کو 29 دسمبر 2005ء سکھر میں منعقد ہونے والے مظاہرہ کی دعوت دی گئی۔ اس کے بعد رحیم یار خان میں رفیق تنظیم جناب عبدالرب سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات ہوئی۔ یہ رفیق حال ہی میں لاہور سے حلقہ بالائی سندھ میں منتقل ہوئے ہیں۔ رحیم یار خان شہر میں دعوتی اور تنظیمی کام کو آگے بڑھانے کے لیے اسرہ کی بنیاد ڈال کر نظم قائم کرنے پر زور دیا گیا۔ اسی شہر میں ایک ساتھی محمد اکرم سے ملاقات ہوئی۔ محترم تنظیم کے پرانے رفیق تھے لیکن کافی عرصہ سے لاتعلق رہے۔ ان کو دوبارہ شمولیت کی دعوت دی گئی۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ پھر سے ہمارے ساتھی اور ہمنوا بنیں گے۔ (رپورٹ: نصر اللہ انصاری)

بقیہ: یادوں کی تسبیح

ہی میں تھا۔ خرم بھائی کے ناظم اعلیٰ منتخب ہونے کے بعد جمعیت کا مرکز کراچی منتقل ہو گیا۔ آئندہ جمعیت میں جو خصوصی ''حالات'' پیدا ہوئے' اس میں مرکز کی یہ منتقلی راس نہیں آئی!

اس دوران کراچی جمعیت بعض حضرات کے تعاون سے (جن کا جماعت اسلامی سے تعلق نہیں) کراچی میں اپنے دفتر کا انتظام کر چکی تھی۔ یہ دفتر تعلیمی اداروں یعنی انجینئرنگ کالج' سائنس کالج' آرٹس کالج' لاء کالج کے قریب ہی واقع تھا۔ گراؤنڈ فلور کا تین کمروں کا فلیٹ تھا: دو بڑے کمرے اور ایک چھوٹا۔ کراچی میں پگڑی سسٹم کا رواج تھا جس میں شروع میں یکمشت رقم بہت زیادہ دینی ہوتی ہے (جو پگڑی کہلاتی ہے) اور کرایہ بہت کم ہوتا ہے۔ پگڑی کے سلسلہ میں ہمارے سینئر رفقاء کو کچھ تردد تھا کہ شاید یہ غیر شرعی ہے اور ہمیں یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔ مولانا مودودی کراچی آئے ہوئے تھے۔ ان سے جب اس کے بارے میں پوچھا تو موصوف نے بڑا دلپذیر جواب دیا کہ آپ جو چاہیں کریں' میں غض بصر کر لوں گا۔ رفقاء مولانا مودودی کے ''اشارہ'' کو سمجھ گئے اور دفتر پگڑی پر لے لیا گیا۔

جمعیت کا دفتر ملنے پر تمام رفقاء کو بہت خوشی ہوئی۔ یہ جمعیت کا دفتر تھا' یہ ہمارا دفتر تھا بلکہ..... یہ ''میرا دفتر'' تھا..... اس لیے دیواروں وغیرہ کی سفیدی کے بعد بغیر کسی کے کچھ کہے میں نے از خود اکیلے پورے دفتر کے فرش کی جھاڑو دے کر دھلائی کی اور اچھی طرح صفائی کی۔ چند پرانی میز کرسیاں لے آئی گئیں۔ پہلا کمرہ کراچی جمعیت کو دیا گیا۔ دوسرا کمرہ جمعیت کے انگریزی پندرہ روزہ جریدے Students' Voice کے ایڈیٹر وغیرہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ بعد میں اس میں مرکزی دفتر آ گیا' تو جریدے کا دفتر چھوٹے کمرہ (بلکہ اسے ''کمری'' کہنا چاہئے) میں منتقل ہو گیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ پہلے کمرہ میں رفقاء کے اجتماعات کے لیے ایک بڑے سائز کی سوتی دری یا قالین کی اشد ضرورت تھی۔ اتنی رقم نہ تھی کہ خریدا جا سکتا۔ انجینئرنگ کالج کے رفیق قاضی انوار الحق (انجینئرنگ کالج سے ڈگری لی' ایسوسی ایٹڈ کنسلٹنگ انجینئرز نامی کمپنی میں ملازمت کی' انتہائی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے' اب ریٹائر ہو چکے ہیں) نے کہا کہ ان کے والد ڈرائنگ روم کے لیے نیا قالین خرید رہے ہیں' پرانا قالین بیکار ہو جائے گا لیکن پرانی چیز جمعیت کو دیتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اس پر انہیں کہا گیا کہ بھائی شرم کیسی' بس اُسے فوراً لے آؤ تا کہ کام بن جائے۔ چنانچہ دوسرے ہی روز قالین بچھ گیا۔

پہلے مرکزی دفتر لاہور میں تھا۔ وہاں کے رفقاء نے ایک بہت خوبصورت' دلچسپ اور معیاری پندرہ روزہ جریدہ ''عزم'' کے نام سے شائع کرنا شروع کیا تھا' جس کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کے مدیران میں: 1- مسلم سرحدی (جن کا اصل نام (ڈاکٹر) محمد انور تھا۔ وہ جماعت اور جمعیت کی تاریخ میں پہلی اور اب تک آخری بار دونوں ہی کے رکن تھے۔ بعد ازاں دونوں ہی سے بد دل ہو کر تحریک کو خیر باد کہہ دیا۔ 2- (ڈاکٹر) سید اسلم' جو بہت عرصہ تک کراچی میں امراض قلب کے ہسپتال میں خدمات انجام دیتے رہے۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ 3- ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' تینوں ہی حضرات کی تحریریں معرکتہ الآراء ہوتی تھیں اور خراج تحسین حاصل کرتی تھیں۔ (جاری ہے)

پریس ریلیز 29 جنوری 2006ء

حماس کی فتح مجاہدین اسلام کی قربانیوں کا ثمر ہے

حافظ عاکف سعید

لاہور' امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے فلسطین کے عام انتخابات میں حماس کی فتح پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ مجاہدین اسلام کی قربانیوں کا ثمر ہے۔ فلسطینی عوام نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کی سرزمین پر اسرائیل کے ناپاک وجود کو برداشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ الفتح کی شکست دراصل اُس کے اسرائیل کے بارے میں لچکدار موقف کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے حماس کی قیادت کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بنیادی موقف میں لچک پیدا کیے بغیر متوازن پالیسی اختیار کرے' تا کہ اسرائیل اور امریکہ کو کوئی تباہ کن اور متشددانہ کارروائی کرنے کا جواز نہ مل سکے۔ حماس کی قیادت کو چاہیے کہ سیاسی جدوجہد سے اسرائیل کے اصل چہرہ کو دنیا کے سامنے بے نقاب کرے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی)

فلک سیر (ٹورسٹ) ریزورٹ ساگر ریسٹورنٹ ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام و طعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے اور روشن کمرے' نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن' جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295' فیکس: 0946-720031

ملتزم اور مبتدی رفقاء کے لیے تربیت گاہ

بمقام: مرکزی دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو' لاہور

19 فروری بروز اتوار نماز عصر سے **25** فروری بروز ہفتہ نماز ظہر' منعقد ہو رہی ہے (ان شاء اللہ)

زیادہ سے زیادہ ملتزم و مبتدی رفقاء شمولیت اختیار کریں۔

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت' تنظیم اسلامی

ضرورت رشتہ

☆ ایک میڈیکل ڈاکٹر کے لیے دینی مزاج کی حامل تعلیم یافتہ' امور خانہ داری میں ماہر شریک حیات کی ضرورت ہے۔

رابطہ: ڈاکٹر ضیاء: 0333-4647038

تنظیم اسلامی سیالکوٹ کا نیا ایڈریس

دفتر تنظیم اسلامی

120 مارکیٹ روڈ' ماڈل ٹاؤن' سیالکوٹ

فون: 0300-9619584, 3557464

عالم اسلام کی خبریں

حماس کی جیت

آخر فلسطینی تبدیلی لے ہی آئے اور انہوں نے الفتح کے بجائے اب حماس کو اپنا رہنما بنا لیا ہے۔ فلسطین کی پارلیمنٹ کے نتائج نے پوری دنیا کو حیران کر دیا' خاص طور پر امریکا' اسرائیل اور یورپی یونین کو جنہوں نے اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) کو دہشت گرد تنظیم قرار دے رکھا ہے۔ پارلیمنٹ کے 132 نشستوں کے لیے انتخابات ہوئے۔ ان میں سے 76 حماس اور 43 نشستیں الفتح کے حصے میں آئیں۔ بعد ازاں چار آزاد امیدوار حماس میں شامل ہو گئے۔ یوں حماس کو پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت حاصل ہو گئی ہے جو معمولی بات نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ فلسطین اور اسرائیل کے درمیان معاملات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ دونوں کے مابین اختلافات بڑھ جائیں گے یا مسئلے کا حل نکل آئے گا۔ یاد رہے کہ فلسطینی اتھارٹی کا سربراہ صدر ہوتا ہے' تاہم وزیر اعظم کو بھی وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ پھر فلسطینی آئین کے مطابق ضرورت پڑنے پر پارلیمنٹ صدر کا مواخذہ بھی کر سکتی ہے۔ لہٰذا اگر مستقبل میں صدر محمود عباس اور حماس کے درمیان اختلافات نے جنم لیا' تو پارلیمنٹ صدر کو ہٹا سکتی ہے۔ مزید براں آئین کی رو سے وزیر اعظم ہی بین الاقوامی معاہدے کرنے کا مجاز ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حماس کا وزیر اعظم ہی اسرائیل سے معاہدہ کرے گا' اگر ہوا تو!

اسرائیل' امریکا اور یورپی یونین نے اعلان کیا ہے کہ وہ حماس سے تب ہی گفتگو کریں گے جب وہ یہ تسلیم کر لے گی کہ اسرائیل کو بھی قائم رہنے کا حق حاصل ہے۔ حماس نے اپنی انتخابی مہم کے دوران گو اسرائیل کو تباہ کرنے کے روایتی اعلان نہیں کیے' تاہم اب بھی وہ پورے یقین کے ساتھ اپنے نظریے پر قائم ہیں کہ اسرائیل کو دنیا کے نقشے سے مٹ جانا چاہیے۔

سنی اور سیکولر قوتوں کا اتحاد

عراق میں سنی اور سیکولر جماعتوں نے اتحاد کر لیا ہے تاکہ مل جل کر شیعہ اور کرد جماعتوں سے گفت و شنید کی جا سکے۔ عراق میں پارلیمانی انتخابات کے بعد اب وہاں نئی اتحادی حکومت بنانے کے سلسلے میں بات چیت ہو رہی ہے۔ اس نئے اتحاد سے سنی اور سیکولر اتحاد عراقی پارلیمنٹ کا دوسرا بڑا بلاک بن گیا ہے۔ پارلیمنٹ کی 275 نشستوں میں سے اس کے پاس اب 80 نشستیں ہیں۔ اس اتحاد کے ذریعے سنیوں کو یقین ہے کہ وہ بہتر کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ اتحاد کے ترجمان کا کہنا ہے: ہمارے خیالات ملتے جلتے ہیں۔ مثلاً ہم ٹیکنو کریٹ حکومت قائم کرنے کے حامی ہیں' سنی جماعتوں کا ایک اہم مطالبہ یہ ہے کہ صدر سنی ہونا چاہیے۔ اس مطالبے کے باعث ان کا ٹکراؤ کردوں سے ہو گیا ہے جو اپنا صدر چاہتے ہیں۔ امریکا کی کوشش ہے کہ نئی حکومت میں ہر جماعت شامل ہو تاکہ عراق میں جاری مزاحمت کم ہو جائے۔ عراق میں انتخابی عمل امریکہ کی ضرورت تو ہو سکتی ہے' تاہم یہ عراقی مسئلہ کا حل نہیں۔ اس مسئلہ کا اصل حل امریکی افواج کی ملک سے بے دخلی اور انخلاء ہے۔

ایران کے خلاف کارروائی

امریکا اور یورپی طاقتیں ایران کے پیچھے پڑی ہیں کہ وہ یورینیم کی افزودگی کا اپنا منصوبہ ترک کر دے' مگر ایرانی قومی مفاد کی قربانی دینے کو تیار نہیں۔ اب وہ معاملہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں لے جانا چاہتی ہیں۔ روس اور چین اس اقدام کے خلاف ہیں۔ دوسری طرف امریکا' برطانیہ' جرمنی اور فرانس چاہتے ہیں کہ اگر ایران نے اپنا منصوبہ ترک نہ کیا تو اُس پر پابندیاں لگا دی جائیں۔ وہ دھونس دھمکیوں سے اپنا مطلب پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امریکا' اسرائیل وغیرہ کا کہنا ہے کہ ایران اپنے ایٹمی منصوبے کی آڑ میں ایٹم بم بنانا چاہتا ہے۔ ایرانی اس امر سے انکاری ہیں۔ امریکا اور اسرائیل دھمکی دے چکے ہیں کہ وہ ہوائی حملہ کر کے ایران کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کر دیں گے۔ ایرانی حکومت نے کہا ہے کہ اسرائیل کو تو حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تاہم امریکا کی طرف سے حملہ متوقع ہے اور اُسے منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔

ڈنمارکی اخبار کی جسارت

جیلنڈز پوسٹس ڈنمارک کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ پچھلے سال' ستمبر میں اس نے بارہ کارٹونوں کی سیریز شائع کی تھی جس میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی جسارت کی گئی۔ یہ قدم ''آزادی تحریر'' کے نام پر اٹھایا گیا۔ سوال یہ ہے کہ ''آزادی'' کا یہ استعمال کیا جائز ہے جس کے ذریعے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات مجروح کیے جائیں۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ اوسلو (ناروے) کے ایک اخبار نے ان کارٹونوں کو دوبارہ چھاپ دیا۔

اب پورے عالم اسلام میں ان اخبارات کے خلاف مظاہرے جاری رہیں۔ سعودی عرب نے ڈنمارک سے اپنا سفیر واپس بلایا ہے۔ لیبیا نے وہاں اپنا سفارت خانہ بند کر دیا ہے۔ دونوں مسلمان حکومتوں کا موقف ہے کہ ڈنمارک (اور ناروے) نے اپنے اپنے اخبار کو سزا دینے کے لیے مناسب اقدامات نہیں کیے۔ ان یورپی حکومتوں کا کہنا ہے کہ وہ اخبار حکومت کے زیر کنٹرول نہیں' مگر سعودی حکومت اس بیان سے مطمئن نہیں۔ سعودی عرب میں اب ڈنمارک ساختہ اشیاء کا بائیکاٹ جاری ہے جو زیادہ تر ڈیری مصنوعات پر مشتمل ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ مغربی ذرائع ابلاغ آزادی کا ناجائز استعمال کیوں کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں حضرت عیسیٰؑ کو ایک برگزیدہ ہستی سمجھا جاتا ہے اور کوئی سچا مسلمان ان کی شان میں گستاخی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا' چہ جائیکہ کارٹون بنائے۔ یورپی اخباروں کی مذموم کارروائی نے ان کے مذہبی تعصب کو نمایاں کر دیا ہے۔

عراق میں کون جیت رہا ہے

اگرچہ امریکا نے عراق اور افغانستان میں فوجی نقطہ نظر سے بظاہر فتح حاصل کر لی ہے مگر وہ وہاں سیاسی جنگ جیت نہیں سکا بلکہ اُسے ہزیمت کا سامنا ہے۔ حقیقت میں عراق اور افغانستان میں امریکی فوج کی مسلسل موجودگی کے باعث وہ خانہ جنگی کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔

عراق میں تو امریکیوں کو ویت نام سے بھی بدتر حالات کا سامنا ہے۔ ویت نام جنگ کے دوران (1962ء تا 1964ء) امریکا کے 392 فوجی مارے گئے تھے۔ اس جنگ میں 17 ہزار امریکی فوجیوں نے حصہ لیا تھا۔ عراق پر فوجی قبضے کے پہلے سات ماہ کے دوران جب وہاں امریکی فوج کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی' تو امریکا کے 397 فوجی مخالفانہ حملوں میں مارے گئے۔ اکتوبر 2005ء تک امریکی فوجیوں کی ہلاکتیں دو ہزار سے بڑھ گئیں حالانکہ اس دوران امریکی فوج کی کُل تعداد ڈیڑھ لاکھ تک جا پہنچی۔

درج بالا حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ ویت نام جنگ کے مقابلے میں عراقی جنگ کے دوران کہیں زیادہ امریکی اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ ان کی موت کا وقفہ بھی کم ہے نیز اس دوران امریکی فوج کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس اضافے کے باوجود عراق میں بم دھماکوں اور حملوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ امریکیوں کا کہنا ہے کہ اس صورت حال کی ذمہ دار اسلامی تنظیمیں ہیں جو مدرسوں میں دہشت گردوں کو تربیت دیتی ہیں۔ حالانکہ خود امریکا اور یورپ کے کئی ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ ان فسادات کا ذمہ دار خود امریکہ ہے۔

حال ہی میں برطانیہ کے ممتاز اخبار 'فنانشل ٹائمز' نے اپنے اداریے میں لکھا ''(عراق اور افغانستان میں) امریکا کی موجودگی سے مسائل حل نہیں ہوئے بلکہ وہ خود ایک وجہ بن گئی ہے''۔ امریکا کے ایک سیاسی ماہر' جم لوب نے بھی کچھ ایسا ہی تجزیہ کیا ہے ''اسلامی مدرسے یا اساتذہ ''دہشت گرد'' پیدا نہیں کر رہے بلکہ امریکا کی موجودگی انہیں جنم دے رہی ہے۔'' ہمارے نقطہ نظر سے عراق اور افغانستان میں جو لوگ امریکا کے خلاف برسرِ پیکار ہیں' وہ دہشت گرد نہیں' مجاہدین اور آزادی پسند ہیں' جنہوں نے غاصب کے سامنے سر نہیں جھکایا اور اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

ideological adversaries such as Shias and Sunnis, of all their Islamic and human rights. The peoples of these countries have failed, even after gigantic efforts and colossal sacrifices, to topple these despotic regimes.

There is no doubt that the political and social systems in vogue in the Muslim world are foreign-imposed and serve the interests of our enemies. The geographical boundaries and divisions of people are unnatural, leading to permanent border disputes such as the Kashmiris and the Pakhtoons divided into two parts, the Balochs into three and the Kurds into four. If these unnatural divisions are undone and the despotic regimes are toppled, even if it happens through the machinations of aggression forces, I believe it would be in the interest of the Muslims in the long run, despite the fact that the occupation forces might benefit from these changes politically or economically in the short run.

The days of occupying other countries for long periods are over and no one can keep any country under occupation by the dint of sheer force for a long time. I believe that the status quo in the Muslim world is in the interest of the neo-imperialists and any change in this situation would be detrimental to their interests and beneficial for the Muslims. As the Muslim parties are the only organised forces in the Muslim world, they can derive maximum benefit from any change.

Launching platform for struggle

In the Muslim countries, there are two institutions where one can launch collective political programmers in order to change the existing system: the army and the educational institutions. There are neither big factories nor strong unions to start from. Mosques can be utilised for ideological purposes alone because they are under constant vigil of the governments. For a variety of reasons, mosques cannot play a pioneering role in the Islamic movement but they can be of immense importance in the second stage of the struggle. Under the prevailing circumstances, the educational institutions are the hottest battlefields and most important strongholds for bringing a real revolution in the Muslim world. The rulers of the Muslim world are not that much suspicious and fearful of the army or mosques as they are scared of these educational institutions. I believe whatever party can get the support of the students and the youth, its success in future will be guaranteed. In some countries, the rallies and demonstrations organised by the students have clearly shown their increasing role and capability to change the course of events.

The Muslim world is passing through such a miserable phase of its life that the majority of the intelligentsia, whether they are in the army or in the civil institutions or they are just laymen, abhors and despises their rulers. They despise the prevailing regimes, hate the suffocating atmosphere of dictatorship, corruption, and class-system and are prepared to get rid of the humiliating poverty and subjugation to foreign powers. They want change and see no alternative but the Islamic system and hence are natural followers of the Islamic movement. The Islamic parties must seize this opportunity with both hands and focus their attention on the army and educational institutions. Any such activity in the army must be conducted by very intelligent and scrupulous members of the party with a history of honesty and complete trustworthiness. Undoubtedly, bringing a change through the army is very easy, but it must be borne in mind that the track record of army officers working in collaboration with the Islamic movements is very dubious and raises many questions. It might be due to the fact that the officers are trained in a way that they are always very obedient to their superiors but quite harsh and even brutal with their subordinates. This kind of training makes them prone to complete subservience and submission to big powers once they come to power but turns them arrogant and despotic in dealing with their own nations.

As far as military coups are concerned, the following points must be pondered thoroughly:

1 Coups can be successful only in countries with a limited army. This means that barring a few countries, coups are possible in most of the countries of the Muslim world.

2 For a coup to be successful there is no need for participation of the top brass or for a large-scale participation. To the contrary, large-scale participation can lead to leakage of the secret before action and thus doom the attempt with failure. A few regiments of the armoured division and commandos with active support of some people from the airforce who can block the participation of the airforce in the defense of the regime through placing a few tanks on the runways, will be enough for the success of the coup. With the help of some snipers to eliminate some important high-ranking officers, the success of the coup can be certain.

3 A close look at the successful coups in the Muslim world and particularly the coups (in Afghanistan) by Daud and the communists in April 1978 clearly shows that they are not the job of generals and they can be launched successfully only by the lower-rank officers stationed in key areas and regiments.

Peculiarities of Afghan jihad

After Afghan jihad, numerous jihadi movements came to the fore, most of them without benefiting from the experiences of the Afghan Mujahideen. But none of them has so far been able to achieve from its armed struggle what the Afghan Mujahideen achieved. In the following, I briefly mention some of the distinct features of the Afghan jihad which could be responsible for its spectacular triumph:

1 Afghan Jihad was started by a party that had acquired, prior to jihad, the status of a disciplined and strong organisation with deep roots among the youth and a sweeping victory in the elections of the university union. It held the biggest demonstrations in the history of the country.

2 It had a very organised circle within the armed forces with countless army officers as its party members. It tried to topple the regime through military coups many times but failed for a variety of reasons. These Muslim officers in the army, however, contributed tremendously during jihad and were responsible for some of the large-scale defections to Mujahideen.

3 After the advent of the communist regime, the party got tremendous popular support, found a base camp as two of our neighbors gave it sanctuary in their soil and the Afghan cause got international support and recognition.

In Afghanistan, the Islamic movement which started initially in the university was supported from the mosque and eventually by some elements in the army. Iran also had a similar scenario. But both these experiences show that once the prevailing rule collapses and people come to the fore the reigns of power automatically fall in the hands of the clerics as they are regarded masses' leaders through the mosque. No other group is in a position to challenge their leadership. (Continue)

❋ ❋ ❋ ❋

Vol: 15 Regd. No. LRL -50 No. 5

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Gulbadin Hikmat Yar

An American Endgame-(I)

The post-colonial Muslim world is ripe for the Islamic movement to take over. The next important step is to bring this change aboutBy Gulbaddin Hekmatyar

The activists of the Islamic movement who are striving for bringing in political and social changes in different corners of the world should ponder anew over the following points:

1 Can their way of struggle bring political and social revolution in the society?

2 Is their way of struggle consistent with the method of the Prophet (peace be upon him)?

3 Do they see in their countries and in the international arena the possibility of a real Islamic revolution? And can the Islamic movement deliver on this matter in the prevailing circumstances? How can the internal obstacles and external challenges be successfully tackled?

4 The Muslims have been living a life of servitude and misery for several centuries, deprived of freedom and political and financial independence. Living under constant tyranny of imposed rulers who lick the boots of their masters but crush their own peoples mercilessly and in unprecedented suffocated atmosphere, their sense of freedom and self-respect has dramatically suffered. Can one expect these oppressed nations to get ready for great sacrifices, and take to the path of revolution and rise against the enemies?

The colonial legacy in the Muslim world

In the past, the colonialists were ruling the Islamic world using direct force but once they were forced to withdraw their troops from the Muslim lands, they made sure to leave behind such puppet regimes which would safeguard their interests. To achieve this:

1 They constituted the armed forces of these countries on a pattern which perpetuated the imposed regimes, acting as their eternal defender and fighting against any national uprising.

2 The educational system and the curriculum were designed in a way to guarantee brainwashing of the youth and eradicate any sense of independence and self-respect from their minds instead of infusing in them a sense of servitude which would make them proud of mimicking their foreign masters.

3 The geographical maps of these countries were altered in a way to ensure permanent border disputes among neighbours and divide freedom loving nations — such as Kurds and Pakhtoons who had proven their mettle in battles against the colonialist powers for several countries — depriving them of their rights of governance.

4 Such minorities were installed in the government that could cling to power only with the support of their foreign benefactors.

Can the Islamic movement awake the Muslims to the pressing need of redrawing these maps changed arbitrarily by the colonialist powers at a time when the Western propaganda machines are consistently drumming up national hysteria and blowing lingual, regional and national differences out of proportion, pitting even people of one valley against those of the next, so that no one can question the so-called sanctity of these colonial lines and think in terms of the grand Muslim nation and Ummah?

Causes for the setbacks to the Islamic Movement

Why the Islamic movement has failed so far to bring a complete revolution after some initial successes? Why haven't the Mujahideen been able to establish Islamic governments after driving enemy forces from their respective countries? Who is responsible for this debacle? The Islamic movement, the Muslim nations or is it the strength of the enemy that checks the progress towards the destiny? How can we stop this bitter experience from recurrence? To answer these basic questions, we can consider the struggle method of any Islamic movement in the light of the tradition of the Prophet (peace be upon him) to see if the following four stages are found in its roadmap to achieve its goals:

1 A stage of struggle similar to that of the Makka stage in the Prophet's life in which the movement faces persecution, suppression, boycott, ban and exile at the hands of the ruling forces, refusing any kind of compromise. The movement shall continue its struggle, whether it operates overtly or covertly provided it maintains its basic peculiarities, for a total rebellion against the ideological, social and political institutions of the existing system, never trying to co-exist with the tyrants in a bid to get a license for limited movement and activity within the prescribed parameters so that the rulers are not irritated.

2 A struggle that refuses, emulating the model of the Prophet, to compromise on its principles is bound to go through the Hijra (migration) phase, a natural stage on the path of a real Islamic struggle. This stage can be skipped only through deviation and deception and not as a result of extra care or wisdom.

3 The third stage of the struggle is that of armed resistance which starts the moment a base camp is found. The Prophet (peace be upon him) started armed jihad when he found a small village like Madina as his base camp that consisted, at the outset, of small guerilla expeditions and aimed at destabilising the enemy authority, disrupting its peace and security which could help in perpetuating its rule. Open clashes came later. Guerilla warfare, in fact, destablises the status quo and loosens the rulers' grip on the society giving the oppressed and fear-stricken masses a chance to stand up against the oppression and thus preparing the ground for a national uprising. Similarly, as a result of guerilla wars, the regime fails in providing the required security for economic and business activities which are essential for its continuity. No regime can bear the brunt of guerilla wars with their devastating impact for a long time, so one can safely assume that after military coups guerilla war is the easiest way of toppling regimes. A close look at the military strategy of the Prophet (peace be upon him) shows that he started with such guerilla tactics followed by small-scale battles against the regional forces and gradually threw challenge to the international forces.

4 Some tasks, like economic reforms, have to be put on the back-burner till the final victory or conquest of the centre, as the Prophet (peace be upon him) attended to these problems only after establishment of the Islamic rule in Madina.

Collapse of the remnants of colonialism

Most of the ruling regimes in the Muslim world, whether dynasties or sectarian or racial, are remnants of the colonialist powers and imposed by them. In many cases, the ruling groups have deprived their opponents, particularly if they are